ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

7 شوال 1439ھ — جولائی 2018ء

- انتخاب اے انتخاب
- ہالینڈ کی پارلیمنٹ میں گستاخانہ خاکوں کی نمائش کا اعلان!
- غیر مسلم ووٹروں کی تعداد اور قادیانی!
- ملتان میں قادیانی آر پی او کی تعیناتی!
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں
- بت پرستی چھوڑیے، بت شکن بنیے
- سیاسی یتیم خانہ..... دنیا کے سیاسی یتیمو! متحد ہو جاؤ!
- میں مغرب اور میری پناہ

احرار اور سیاست

دین اور سیاست الگ الگ نہیں۔ اسلام اپنی تعریف کے دائرے میں ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ وہ کسی دوسرے نظام کی پیوندکاری کا محتاج نہیں سیاست بھی اسلام کا ایک شعبہ ہے۔ اس لیے کوئی اسلامی جماعت اُس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک وہ دین کے ساتھ ساتھ سیاست میں حصہ نہ لے

مجلسِ احرارِ اسلام سیاسی لحاظ سے مثبت نظریے پر عمل پیرا ہے ہماری جدوجہد کا مقصد اِعلاء کلمۃ الحق، غلبۂ اسلام اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کے سِوا کچھ نہیں

محض جمہوریت اسلام کا بنیادی مقصد اور عقیدہ نہیں۔ آج جس قسم کی جمہوریت رائج ہے وہ خلافتِ راشدہ سے یکسر مختلف اور متصادم ہے

اسلام، ریاست وسیاست میں شورائی نظام کا علم بردار ہے

مجلسِ احرارِ اسلام قرآن وسنت اور اجماعِ اُمّت کی روشنی میں اسلام کے سیاسی نظام کے غلبہ ونفاذ کی پُرامن جدوجہد میں مصروف ہے

ہمیں جب بھی سیاسی قوت حاصل ہوئی اور حالات ہمارے حق میں سازگار رہوئے تو پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کردیں گے

قائد احرار، جانشینِ امیر شریعت سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

پریس کانفرنس سے خطاب

۸ر ستمبر ۱۹۶۷ء، فیصل آباد

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 29 شمارہ 7 جولائی 2018/ شوال ۱۴۳۹ھ

Regd.M.NO.32

بیاد: سیدالاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

اداریہ:	انتخاب اے احتساب	سید محمد کفیل بخاری	2
شذرہ:	ہالینڈ کی پارلیمنٹ میں گستاخانہ خاکوں کی نمائش کا اعلان!	عبداللطیف خالد چیمہ	4
	غیر مسلم ووٹروں کی تعداد اور قادیانی!		
	ملتان میں قادیانی آر پی او کی تعیناتی!		
افکار:	دینی خدمات کا معاوضہ	مولانا زاہد الراشدی	8
//	میں مغرب اور میری پناہ	سراج منیر	11
//	بت پرستی چھوڑیے، بت شکن بنیے	صابر علی	24
//	سیاسی یتیم خانہ...... دنیا کے سیاسی یتیمو! متحد ہو جاؤ!	مجید لاہوری	27
دین و دانش:	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں	حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مترجم: مولانا محمد احسان الحق	29
//	غزوۂ اُحد	حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ مترجم: مولانا سعید الرحمن علویؒ	34
//	بشارات و فضائل کی دو قسمیں اور حدیث مغفور	ابو طلحہ عثمان ایم اے	38
//	تربیت	شاہ بلیغ الدین	44
مطالعۂ قادیانیت:	معراجِ نبوت اور مرزا قادیانی (قسط: ۷)	مولانا مشتاق احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ	46
ادب:	غزل	پروفیسر خالد شبیر احمد	53
نقد و نظر:	زاد المعاد کے اردو ترجمہ از رئیس احمد کا سرسری جائزہ (قسط: ۹)	علامہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ	54
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	مبصر: حافظ اخلاق احمد	62
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	64

فیضانِ نظر: حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی: ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیرِ مسئول: سید محمد کفیل بخاری
kafeel.bukhari@gmail.com

رفقائے فکر:
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس
سید عطاء المنان بخاری
atabukhari@gmail.com
محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف شاد
0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ
اندرون ملک ———— -/200 روپے
بیرون ملک ———— -/4000 روپے
فی شمارہ ———— -/20 روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت
بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100
بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ
دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961
www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

شعبۂ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات سید محمد کفیل بخاری

انتخاب اے انتخاب

عام انتخابات کے انعقاد کا وقت قریب تر ہو رہا ہے، ملک کی بڑی چھوٹی سیاسی جماعتیں انتخابی اکھاڑے میں اتر چکی ہیں، سیاسی سرگرمیاں عروج پر اور انتخابی مہم زوروں پر ہے۔ دنیا میں حکومتوں کی تشکیل و قیام کے جو نظام رائج ہیں ان میں پارلیمنٹ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ لیکن پارلیمنٹ کی تشکیل کیسے ہو؟ اس کے لیے دو طریقے زیادہ معروف ہیں۔ برطانوی پارلیمانی اور امریکی صدارتی نظام۔ پاک و ہند چونکہ برطانوی غلام رہے اس لیے یہاں پارلیمانی نظام ہی رائج ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ امریکہ و برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک نے اپنے معروضی حالات اور تہذیب وثقافت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملک وقوم کی بہتری کے لیے اپنے حکومتی، انتظامی وسیاسی نظام میں بہت سی تبدیلیاں کیں اور مسلسل کر رہے ہیں لیکن ہماری صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے کہ:

''جہاں روز اول کھڑے تھے کھڑے ہیں''

پاکستان میں سیاسی وانتخابی عمل کو صحیح معنوں میں چلنے ہی نہیں دیا گیا۔ طاقتور ریاستی ادارے ستر برس سے سیاسی عمل میں بے جا مداخلت کر کے اسے سبوتاژ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ منتخب حکومتوں کو بیک جنبش ابرو ختم اور پوری پارلیمنٹ کو جبراً گھر بھیج کر مارشل لاء کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔ جنرل ایوب، جنرل یحیٰ، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف تک سب نے یہی کچھ کیا۔ اس کے پس منظر میں عالمی استعماری خواہشیں اور سازشیں دونوں اپنا بھرپور کردار ادا کرتی رہیں۔ 2013ء کے انتخابات کے بعد نئی ڈاکٹرائن یہ ہے کہ اب منتخب پارلیمنٹ اور حکومت میں من پسند افراد لائے جائیں انہی کے ذریعے من مرضی کے فیصلے کرا کر پوری قوت سے مسلط کیے جائیں اور انہیں مکمل آئینی تحفظ بھی فراہم کیا جائے۔ پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور اس کا قیام بھی اسلام کے نام پر ہوا۔ لیکن جو نظام یہاں رائج ہوا وہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر ہے۔ نہ برطانوی پارلیمانی نہ اسلامی۔ نتیجۃً گزشتہ ستر برس سے ملک وقوم سیاسی ومعاشی بحرانوں کے بھنور میں ہی پھنسے ہوئے ہیں۔ سیاسی جماعتیں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے چند خاندانوں کی ملکیت ہیں اور وہی پشت در پشت حکمرانی کو پیدائشی حق سمجھ کر قوم پر مسلط ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی پاکستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں۔ جو باریاں بدل بدل کر حکومت کرتی آ رہی ہیں۔ درمیان میں تحریک انصاف اس نعرے کے ساتھ ابھری کہ وہ مروجہ خاندانی وموروثی سیاسی نظام کو تبدیل کر کے عوامی حکومت بنائے گی اور اس فرسودہ نظام سے قوم کو نجات دلائے گی۔ لیکن افسوس صد افسوس تحریک انصاف نے بھی بالآخر اسی سرمایہ دارانہ فرسودہ نظام کے آگے گھٹنے ٹیک دیے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کا استعمال شدہ فضلہ قبول کیا اور 2018ء کے انتخابات میں انہی کرپٹ لوگوں کو ٹکٹ دے دیے جن کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ نواز شریف، آصف زرداری اور عمران خان اربوں کھربوں کے اثاثوں کے مالک ہیں۔ مسلم لیگ، پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف کی تقریباً ساری قیادت کا یہی حال ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے نگران وزیر اعظم جناب ناصر الملک نے اپنے جو اثاثے ظاہر کیے ہیں وہ بھی اس دوڑ میں بہت آگے ہیں۔ ہمیں موجودہ سیاسی نظام سے

سو فیصد خیر کی توقع تو ہرگز نہیں لیکن اگر انتخابی نظام کو صاف شفاف اور تسلسل کے ساتھ چلنے دیا جائے تو کچھ نہ کچھ بہتری کی امید کی جاسکتی ہے۔عوام میں سیاسی شعور کی بیداری، کھرے کھوٹے کی تمیز اور ملک کے لیے بہتر قیادت کے انتخاب کی صلاحیت ضرور پیدا ہوگی۔جس کی بہترین اور تازہ ترین مثال ترکی کے انتخابات میں طیب اردوان اور ان کی پارٹی کی شاندار کامیابی ہے جو انہیں جہد مسلسل کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔یہاں سیاست پیسے کا کھیل بن چکی ہے ،اربوں کھربوں کے اثاثوں کے مالک سیاست دانوں کے مقابلے میں غریب مولوی کے لیے یہ ایک مشکل میدان اور سخت امتحان ہے۔لیکن سیاسی میدان کو سیکولر قوتوں کے لیے کھلا چھوڑ دینا بھی دانشمندی نہیں، پارلیمنٹ میں دینی قوتوں کی موجودگی ورہنمائی از حد ضروری ہے۔آئین میں قرارداد مقاصد سے لے کر عقیدہ ختم نبوت تک اور دیگر اسلامی دفعات کا شامل ہونا پارلیمنٹ میں دینی قوتوں کی موجودگی اور جدوجہد کا ثمرہ ہے۔اس وقت دینی جماعتوں کے انتخابی اتحاد پر مشتمل ''متحدہ مجلس عمل'' بھی انتخابی میدان میں معرکہ آرا ہے جس کی قیادت مولانا فضل الرحمٰن کررہے ہیں۔اگرچہ متحدہ مجلس عمل کا اثر روسوخ اور دائرہ عمل پنجاب، سندھ کے مقابلے میں خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں زیادہ ہے۔پنجاب اور سندھ کے بعض حلقوں میں بھی ان کے امیدوار میدان میں اترے ہیں۔اگر دو صوبوں میں بھی مجلس عمل کی حکومت قائم ہوجائے اور قومی اسمبلی میں حوصلہ افزا نمائندگی مل جائے تو مستقبل میں بڑی کامیابی بھی حاصل ہوسکتی ہے۔

مجلس احرار اسلام بنیادی طور پر ایک دینی سیاسی جماعت ہے جو 1929ء میں قائم ہوئی قیام پاکستان سے قبل 1936ء/1946ء کے انتخابات میں حصہ لیا اور مختلف نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔قیام پاکستان کے بعد احرار براہ راست انتخابی سیاست سے دستبردار ہوئے اور اپنی جدوجہد کو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور محاسبہ قادیانیت کے محاذ پر مخصوص کیا کہ یہی اس وقت کا سب سے اہم تقاضا تھا۔الحمدللہ احرار نے محاذ ختم نبوت پر زبردست کامیابی حاصل کی اور پارلیمنٹ کے ذریعے دینی قیادت نے آئین میں متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا۔پاکستان میں منعقد ہونے والے تمام انتخابات میں دینی قوتوں کا ساتھ دیا۔1977ء کے انتخابات میں حصہ بھی لیا۔مجلس احرار اسلام دینی جماعتوں کی فطری حلیف ہے اور فی الحال انتخابات میں براہِ راست حصہ نہیں لے رہی لیکن انتخابی عمل سے بالکل الگ بھی نہیں رہ سکتی اس لیے موجودہ انتخابات میں احرار بحیثیت جماعت ،متحدہ مجلس عمل کی حمایت کرتے ہیں۔مذہبی ووٹ کی بہرحال ایک اہمیت اور وزن ہے جن حلقوں میں مجلس عمل کے امیدوار کھڑے ہیں احرار کارکن انہیں ووٹ دیں۔باقی حلقوں میں شرافت ،حب الوطنی اور دین داری کے معیار پر جماعتی نہیں انفرادی حمایت کریں اور امیدواروں سے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ ،آئین کی اسلامی دفعات کی بقاونفاذ اور ملک کی نظریاتی اساس، اسلام کے تحفظ اور ترویج واشاعت کا تحریری حلف لے کر انہیں ووٹ دیں۔اگر انتخابی عمل کا تسلسل جاری رہا اور دینی قوتیں اسی طرح متحدرہ کر اس میں شریک رہیں تو طیب رجب اردوان کی طرح ایک دن ضرور انہیں بھرپور کامیابی حاصل ہوگی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ''اسلام کا مقصد اسلام کی حکومت کے سوا کچھ نہیں''۔مولانا فضل الرحمٰن نے اسی کی روشنی میں درست فرمایا ہے کہ نفاذ اسلام کے لیے ہمیں اقتدار کی ضرورت ہے اور ہم پرامن آئینی طریقے سے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی سے سرفراز کرے۔انتخابی عمل پرامن اور شفاف طریقے سے مکمل ہو اور پاکستان کو صالح ومحبّ وطن قیادت میسر آئے۔(آمین)

ہالینڈ کی پارلیمنٹ میں گستاخانہ خاکوں کی نمائش کا اعلان!

عبداللطیف خالد چیمہ

پیغمبرِ امن، مُحسنِ انسانیت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتکذیب وہی لوگ کر رہے ہیں، جو دنیا میں بدامنی اور دہشت گردی کا راج پورے شباب پر دیکھنا چاہتے ہیں، کچھ عرصے سے اسلام و پاکستان دشمن گروہ اِس عملِ بد کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہیں، ماضی قریب میں اِس کا اِرتکاب سب سے پہلے قادیانیوں نے کیا، 30۔ستمبر 2005ء کو ڈینش اخبار نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بارہ کارٹون شائع کیے جس کے پیچھے قادیانی لابی کا عمل دخل کارفرما تھا، (روزنامہ ''جنگ'' لندن)۔

بعدازاں ستمبر 2012ء امریکہ میں توہین آمیز فلم ریلیز ہوئی تو قادیانی امریکہ کی حمایت میں کھڑے ہوگئے اور اب (ڈچ) ہالینڈ کی پارلیمنٹ میں گستاخانہ خاکوں کی نمائش کا اعلان ہُوا ہے، جس کو روزنامہ ''اُمت'' کراچی، راولپنڈی نے 21۔جون 2018ء کو صفی علی اعظمی کی رپورٹ میں میگزین پیج پر یوں شائع کیا ہے ملاحظہ فرمائیں!

ہالینڈ کی اسلام دشمن جماعت فریڈم پارٹی کے سربراہ ملعون گیرٹ ولڈرز نے ایک بار پھر دنیا کا امن داؤ پر لگاتے ہوئے گستاخانہ خاکوں کی نمائش کا اعلان کر دیا ہے۔ برطانوی جریدے ''دی ویک'' کا کہنا ہے کہ یہ اعلان گزشتہ ہفتے کیا گیا تھا۔ لیکن ڈچ حکومت کی کاؤنٹر ٹیررازم ایجنسی این سی ٹی وی کی جانب سے اس کو کچھ دنوں کے لیے روکا گیا۔ بعدازاں اسلام دشمن ڈچ سیاست دان گیرٹ ولڈرز نے اعلان کیا کہ اس بار گستاخانہ خاکوں کا نمائشی مقابلہ سیکورٹی نکتہ نظر سے ڈچ پارلیمنٹ کی عمارت کے اندر منعقد کیا جائے گا۔ اس میں ڈچ شہریوں سمیت فریڈم پارٹی کے اراکین کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے اور آن لائن گستاخانہ خاکے بھی طلب کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈچ میڈیا نے تصدیق کی ہے کہ اس مقابلے کو سماجی رابطوں کی سائٹس پر بھی براہِ راست دکھایا جائے گا اور شرکا کو مختلف کیٹگریز میں بھاری انعام دیے جائیں گے۔ اس حوالے سے ملعون گیرٹ ولڈرز نے دنیا بھر سے گستاخانہ خاکوں کو بذریعہ ای میل بھیجنے کے لیے ای میل اکاؤنٹ بھی فراہم کیا ہے۔ ملعون ڈچ رکن پارلیمنٹ گیرٹ ولڈرز کا کہنا ہے کہ اس نے ملک میں شامی پناہ گزینوں کی آمد روکنے کے لیے یہ نمائشی مقابلہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ ڈچ عوام کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا جا سکے۔ مارچ ۲۰۱۷ء کے الیکشن میں دوسرے نمبر پر آنے والی فریڈم پارٹی نے الیکشن کے فوری بعد پارلیمنٹ میں ہالینڈ میں قرآن کی اشاعت، تقسیم اور نقل وحمل پر پابندی کا بل پیش کیا تھا۔ جبکہ اسی ملعون گیرٹ ولڈرز کے ایما پر ڈچ حکومت نے ملک بھر میں نقاب، برقع اور حجاب پر

پابندی بھی عائد کی۔ ڈچ دارالحکومت میں اپنی پریس کانفرنس میں ملعون گیرٹ ولڈرز کا کہنا تھا کہ گستاخانہ خاکوں کے لیے اس نے سیکورٹی فراہم کرنے کا جو مطالبہ کیا تھا، اس پر حکومت نے مثبت ردِّعمل کا اظہار کرتے ہوئے پروگرام کو پارلیمنٹ ہاؤس میں منعقد کرنے کی اجازت دی ہے۔ ملعون گیرٹ ولڈرز نے اپنی پریس کانفرنس میں گستاخانہ خاکوں کے مقابلے کی تاریخ کا اعلان نہیں کیا اور کہا کہ اس کی تاریخ کا اعلان اگلے ہفتے کیا جائے گا۔ البتہ اس گستاخانہ مقابلے کے جج کے طور پر گیرٹ ولڈرز نے امریکہ سے تعلق رکھنے والے ملعون کارٹونسٹ بوش فاسٹن کے نام کا اعلان کیا ہے۔ واضح رہے کہ امریکی کارٹونسٹ ملعون بوش فاسٹن نے ۲۰۱۵ء میں امریکن فریڈم ڈیفنس انسٹی ٹیوٹ کے تحت منعقدہ گستاخانہ مقابلے میں اوّل انعام حاصل کیا تھا، جس کی وجہ سے ملعون گیرٹ ولڈرز نے اس کو ڈچ پارلیمنٹ میں منعقد ہونے والے مقابلہ کا منصف بنایا ہے۔ ادھر ڈچ مسلمانوں نے گیرٹ ولڈرز کی ناپاک جسارت کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہر سطح پر اس گستاخانہ مقابلہ کے انعقاد کے خلاف مظاہرے کریں گے اور تمام اسلامی حکومتوں سے بھی مکتوبات ارسال کر کے اپیل کریں گے کہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں اور ڈچ حکومت کو مجبور کریں کہ دنیا کے امن کو داؤ پر مت لگائے اور گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کو روکے۔ ادھر اسرائیلی جریدے ''ہارٹز'' نے لکھا ہے کہ گیرٹ ولڈرز کا ماضی، اسلام وقرآن کی دشمنی سے عبارت ہے اور وہ ماضی میں گستاخانہ فلمیں اور خاکے بنوا چکا ہے۔ حالیہ ایام میں اس کی اس مذموم حرکت سے خطے سمیت عالمی افق پر بدامنی کا خطرہ بڑھ چکا ہے۔ واضح رہے کہ مسلسل گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے لیے بدنام زمانہ ملعون فرانسیسی جریدے ''چارلی ایبڈو'' کو سبق سکھانے کے لیے ۲۰۱۵ء میں منظّم حملہ کیا گیا تھا، جس میں گستاخ فرانسیسی جریدے سے تعلق رکھنے والے ۱۲، اسٹاف ممبرز اور سیکورٹی اہلکار ہلاک ہوئے تھے۔ جبکہ حالیہ ایام میں اس نئے مقابلہ کے اعلان کے بعد بھی ایسے ہی حملوں کا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے۔ روسی جریدے ''رشیا ٹو ڈے'' نے انکشاف کیا ہے کہ اسلام مخالف ڈچ فریڈم پارٹی کے سربراہ گیرٹ ولڈرز نے ایک ماہ پہلے رمضان المبارک کے مہینے میں گستاخانہ خاکوں کے مقابلے کا اعلان کرنا تھا۔ لیکن اس کو ڈچ حکومت نے سیکورٹی وجوہات کا بہانہ بنا کر اعلان سے روک دیا تھا۔ لیکن اب جبکہ فریڈم پارٹی کو گستاخانہ خاکوں کے مقابلہ کے مقام یعنی پارلیمنٹ ہاؤس میں محفوظ پروگرام کی اجازت اور سیکورٹی فراہم کر دی گئی تو اس معلون نے گستاخانہ خاکوں کے مقابلہ کا اعلان کر دیا ہے۔ (روزنامہ ''اُمت'' کراچی، 21۔ جون 2018ء)۔

غیر مسلم ووٹروں کی تعداد اور قادیانی!

الیکشن 2018ء سر پر ہے، اللہ کرے کہ الیکشن امن سے گزر جائے اور ملک امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے، گزشتہ دنوں اقلیتی (غیر مسلم) ووٹروں کی تعداد بعض اخبارات میں شائع ہوئی، ہم تحریک تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے عرصۂ دراز سے قادیانی گروہ کو آئین وقانون کے دائرے میں لا کر مروجہ ضابطے کا پابند بنانے کا مطالبہ کرتے چلے

آر ہے ہیں تا کہ قادیانیوں کی مردم شماری کر کے ان کی صحیح تعداد سامنے لائی جائے۔ دوم یہ کہ قادیانی بطور غیر مسلم ووٹر اپنے اندراج کو یقینی بنائیں تا کہ وہ خود بھی جان سکیں کہ ان کی مبالغے کے بغیر اصل آبادی کا تناسب کیا ہے، سردست غیر مسلم اقلیتی ووٹروں کی تعداد روزنامہ ''اوصاف'' لاہور (صفحہ اوّل) کی 22 رجون 2018ء جمعۃ المبارک کی اشاعت کی دو کالم خبر یہاں نقل کی جارہی ہے تا کہ صورتحال سمجھنے میں آسانی ہو۔

اسلام آباد (مانیٹرنگ ڈیسک) الیکشن کمیشن کے اعداد و شمار کے مطابق 25 جولائی کے عام انتخابات کے لیے ملک کی سات بڑی غیر مسلم مذہبی برادریوں سے تعلق رکھنے والے ووٹروں کی تعداد 36 لاکھ 30 ہزار سے زائد ہے، جو گزشتہ انتخابات کی نسبت تیس فیصد زیادہ بنتی ہے۔ الیکشن کمیشن کی انتخابی فہرستوں کے مطابق ملک میں سب سے زیادہ غیر مسلم ووٹروں کا تعلق ہندو برادری سے ہے۔ ان کی تعداد 17 لاکھ 77 ہزار سے زائد ہے۔ دوسری بڑی مذہبی اقلیت مسیحی ہے۔ مسیحی ووٹروں کی تعداد 16 لاکھ 40 ہزار سے زیادہ ہے۔ تیسری سب سے بڑی برادری قادیانیوں کی ہے۔ ان کی تعداد ایک لاکھ 67501 ہے۔ ان کے علاوہ 31500 سے زائد بہائی، 8852 سکھ، 4235 پارسی اور بدھ مت کے 1884 پیروکار بھی ووٹر لسٹوں میں شامل ہیں۔ 2018ء کی انتخابی فہرستوں میں ایک بھی یہودی ووٹر لسٹ میں شامل نہیں ہے جبکہ 2013ء کے انتخابات کے لیے رجسٹرڈ یہودی ووٹروں کی تعداد 809 تھی، انتخابی فہرستوں کے مطابق ہندو رائے دہندگان کی اکثریت سندھ میں رہتی ہے، جہاں 40 فیصد ووٹر صرف دو اضلاع عمر کوٹ اور تھرپارکر میں رہتے ہیں۔ مسیحی رائے دہندگان میں سے 10 لاکھ پنجاب میں اور دو لاکھ سے زیادہ سندھ میں رہائش پذیر ہیں، قادیانی برادری کے رائے دہندگان پنجاب، سندھ اور اسلام آباد میں رہتے ہیں۔ اس کے برعکس سکھ ووٹروں کی بہت بڑی تعداد خیبر پختونخوا اور فاٹا کے قبائلی علاقوں میں مقیم ہے۔ پارسی رائے دہندگان کی بڑی اکثریت سندھ میں ہے جبکہ ان کا ایک حصہ خیبر پختونخوا میں بھی آباد ہے۔

ملتان میں قادیانی آر پی او کی تعیناتی!

چند روز پیشتر ملتان میں (ملک) ابوبکر خدا بخش کو بطور آر پی او تعینات کیا گیا ہے، جس پر دینی جماعتوں نے تشویش اور تحفظات کا اظہار کیا ہے، قادیانی افسران خصوصاً اعلیٰ عہدوں پر براجمان ہیں اور جہاں کہیں اُنہیں موقع ملتا ہے وہ قادیانی کو مقدم رکھ کر اقدامات کرتے ہیں، جن سے اکثر اوقات لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال جنم لیتی ہے، یہی صورتحال ملک ابوبکر خدا بخش کی ہے کہ وہ ڈی پی او خوشاب تھا تو وہاں اُس نے قادیانیت بلکہ ربوہ برانڈ ارتداد کو پروموٹ کیا اور مختلف اوقات میں متعدد مقدمات میں تحریک ختم نبوت کے کارکنوں کو اُلجھایا اور پریشان کیا، مسجد یمامہ چک 2TDA جوہر آباد جب طویل عدالتی کارروائی کے بعد مسلمانوں کو دی گئی اور فیصلہ سید اطہر شاہ گولڑی کے حق میں ہُوا تو حیلے بہانے سے مختلف

مسائل کھڑے کئے اواعلانیہ قادیانی گروہ کی طرف داری کرتا رہا پھر یہ ڈی آئی جی انوسٹی گیشن لاہور تعینات ہُوا تو اس کا قریبی عزیز وقاص نقو کہ اس سے بھی بڑھ کر وہی اقدامات کرتا رہا جو قادیانیت کی واضح جانبداری پر مشتمل تھے جبکہ مسلم لیگ (ن) کی صوبائی حکومت ان پر مکمل اعتماد کرتی رہی اور انہیں کئی اہم ذمہ داریاں سونپی گئیں اور اب کسی گہری پلاننگ کے تحت ملتان جیسے مذہبی شہر جہاں ختم نبوت کی جماعتوں کے ہیڈ کوارٹرز ہیں میں ابوبکر خدا بخش کے تعینات کئے جانے سے ہمیں بڑا خطرناک محسوس ہو رہا ہے، عالمی مجلس احرار اسلام اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اس پر احتجاج ریکارڈ کرا چکی ہیں جبکہ ڈویژن بھر میں مختلف مکاتب فکر کی طرف سے احتجاج کا سلسلہ جاری ہے، اور اگر یہ تعیناتی واپس نہ لی گئی، تو پیش آمدہ صورتحال خرابی کی طرف بھی جاسکتی ہے اس لیے پنجاب کی نگران حکمران اور مجاز اتھارٹی سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے صورتحال کا جائزہ لیں اور ابوبکر خدا بخش جیسے سکہ بند قادیانی کو بلا تاخیر ملتان سے ہٹایا جائے اور قادیانیت نوازی پر مبنی اقدامات جیسے الزامات کے حوالے سے اعلیٰ سطحی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائیں کیونکہ مذکورہ دونوں قادیانیوں نے ایٹمی تنصیبات کے حوالے سے ضلع خوشاب جیسے حساس علاقے میں اہم ترین اور حساس مقامات پر وسیع رقبے خریدے جو ملکی دفاع کے حوالے سے سوالیہ نشان ہے، اس حوالے سے بھی مذکورہ دونوں قادیانی افسران نے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے جو نا قابل معافی ہیں کیونکہ یہ قادیانیوں کی مسلسل پشت پناہی کر رہے تھے۔

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر بکری کے ایک بچے پر ہوا جو راستے میں مرا پڑا تھا، اس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے ان سے آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس مرے ہوئے بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اللہ کی کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مردار بچہ ہے۔ (مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بندوں کی ہدایت اور تربیت کا جو بے پناہ جذبہ رکھ دیا تھا، اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ راستہ چل رہے ہیں، بکری کے ایک مردار بچے پر آپ کی نظر پڑتی ہے گھن سے منہ پھیر کر نکل جانے کے بجائے آپ صحابہ کرام کو متوجہ کر کے اس کی اس حالت سے ایک اہم سبق دیتے ہیں اور ان کو بتلاتے ہیں کہ یہ مردہ بچہ تمہارے نزدیک جس قدر حقیر و ذلیل ہے اسی قدر اللہ کے نزدیک دنیا حقیر و ذلیل ہے اس لیے اپنے طلب و فکر کا مرکز اس کو نہ بناؤ بلکہ آخرت کے طالب بنو۔ (معارف الحدیث، ج ۲، ص ۴۹)

دینی خدمات کا معاوضہ

مولانا زاہد الراشدی

گزشتہ دنوں ایک دوست نے واٹس ایپ پر جمعیت علما ہند صوبہ دہلی کے صدر اور مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری دہلی کے مہتمم مولانا محمد مسلم قاسمی کے اس فتوی کا ایک صفحہ بھجوایا ہے جو ائمہ مساجد اور مدارس ومکاتب کے اساتذہ کی تنخواہوں کے بارے میں ہے اور اس پر کچھ دیگر حضرات کے دستخط بھی ہیں۔ اس کا ایک حصہ ملاحظہ فرمالیجئے: کل قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ مسجد میں ماربل، اے سی، بہترین قالین اور عمدہ جھاڑ فانوس وغیرہ لگائے تھے یا نہیں؟ لیکن اگر اتنی کم تنخواہ دی جس سے روزمرہ کی عام ضروریات زندگی بھی پوری نہ ہوسکیں تو یہ ان کی حق تلفی ہے جس کا حساب یقیناً اللہ کے ہاں دینا پڑے گا۔ مسجد و مدرسہ کی آمدنی کے سب سے زیادہ مستحق امام، مؤذن اور اساتذہ ہیں۔ یہ جتنے اچھے اور خوشحال رہیں گے مسجد اور مدرسوں کا نظام اتنا ہی اچھا چلے گا۔ صرف امام کی تنخواہ دے کر امام پر اذان کی بھی ذمہ داری ڈالنا اور جھاڑو وغیرہ دینے کے کام پر مامور کرنا یہ ان کی توہین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حاملین قرآن (قرآن کا علم رکھنے والے) کی تعظیم کرو، بے شک جس نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی (الجامع الصغیر 1 / 114)۔ تنخواہ اچھی دینا بھی ان کی عزت کرنے میں داخل ہے اور حدیث میں ہے کہ حاملین قرآن اسلام کا جھنڈا اٹھانے والے اور اس کو بڑھاوا دینے والے ہیں، جس نے ان کی تعظیم کی اس نے اللہ کی تعظیم کی اور جس نے ان کی توہین کی اس پر اللہ کی لعنت ہے (الجامع الصغیر 1 / 142) تنخواہ کم ہونے اور ضروریات زندگی زیادہ ہونے کی وجہ سے امام اور اساتذہ ہو کر وہ کسی مالدار صاحب خیر سے سوال کرنے کی جرات کر بیٹھتے ہیں اور بعض دفعہ سوال پورا نہ ہونے کی صورت میں سخت ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔ ایسے حالات میں تنخواہ نہ بڑھا کر انہیں پریشانی میں ڈالنا بھی ایک طرح کی توہین ہی ہے۔ لہذا امام اور اساتذہ کی تنخواہیں ان کے گھر کے خرچہ کے مطابق موازنہ کر کے مہنگائی کے ساتھ ساتھ بڑھاتے رہنا چاہیے۔ سال پورا ہونے کا انتظار یا تنخواہ بڑھانے کے معاملہ میں تنگ دلی سے کام لینا یا دیگر نامناسب شرط وقید لگانا صحیح نہیں۔ (مستفاد از فتاوی رحیمیہ قدیم 4 / 535) یہ فتوی 17 اپریل 2018 کو جاری کیا گیا ہے اور اس میں ہمارے دینی ماحول کے ایک ایسے پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش اور پورے جنوبی ایشیا کے عمومی ماحول میں دن بدن سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمارے ہاں یہ غلط تصور رواج پا گیا ہے کہ دینی خدمات کسی معاوضہ کے بغیر سرانجام دینی چاہئیں اور کسی دینی خدمت پر وظیفہ یا تنخواہ کا تقاضہ کرنا ثواب اور اجر سے محرومی کا باعث بن جاتا

ہے۔ بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خدمت ان کے سپرد کی اور اس کی انجام دہی کے بعد آنحضرتؐ نے انہیں کچھ حق الخدمت پیش کیا جوانہوں نے یہ کہہ کر قبول کرنے میں تامل کیا کہ میں نے تو یہ خدمت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سرانجام دی ہے اور میری مالی حالت بہتر ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جناب رسولؐ اللہ نے ان کی یہ بات قبول نہیں کی اور فرمایا کہ خذہ وتمولہ اس کو وصول کرو اور اپنے مال میں شامل کرو، اس کے بعد اگر تمہاری مرضی ہو تو صدقہ کر دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دینی خدمت پر حق الخدمت ادا کرنا ضروری ہے، اسے وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس سے دینی خدمت کا ثواب و اجر ختم نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح یہ بات ہمارے ہاں معمول بن گئی ہے کہ دینی خدمات سرانجام دینے والوں کی تنخواہیں اور دیگر سہولتیں عام طور پر کم از کم معیار پر مقرر کی جاتی ہیں۔ کچھ خدا ترس اور معیاری دینی مدارس و مراکز اساتذہ اور ائمہ وحفاظ کو معقول مشاہرے دیتے ہیں اور سہولتیں بھی مہیا کرتے ہیں مگر ان کی تعداد اکثریت میں بہر حال نہیں ہے۔ جبکہ عمومی ماحول یہ ہے کہ جس شخص کو ہم امامت، اذان، تعلیم قرآن کریم، دینی تدریس اور اس نوعیت کی کوئی ذمہ داری سونپ رہے ہیں اور اس کے اوقات کار کو اس کام کے لیے مخصوص کر رہے ہیں اس کا وظیفہ مقرر کرتے وقت ہم اس بات کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے کہ اس سے اس کی اور اس کے کنبہ کی روزمرہ کی ضروریات اس علاقہ کے عرف کے مطابق باوقار طریقہ سے پوری ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ ضروریات اور اخراجات کے تعین میں قرآن کریم نے عرف کو معیار قرار دیا ہے اور اس کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ متاعا بالمعروف کے ارشاد گرامی کے ساتھ ساتھ یتیم کے مال کی نگرانی اور انتظام کرنے والے کے لیے قرآن کریم میں فلیاکل بالمعروف فرمایا گیا ہے۔ جبکہ اس عرف کا دائرہ متعین کرتے وقت ہمیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد گرامی کو سامنے رکھنا ہوگا جو انہوں نے خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کرتے وقت صحابہ کرامؓ کی مشاورت کے دوران فرمایا تھا کہ جس سے وہ مدینہ منورہ کے ایک عام شہری کی طرح باعزت زندگی گزار سکیں اور اسی پر فیصلہ ہو گیا تھا۔ اس لیے مؤذن، امام، خطیب، مدرس، قاری اور دینی خدمت کے مختلف شعبوں کے رجال کار کا وظیفہ اور سہولتیں مقرر کرتے وقت یہ بات بہر حال ملحوظ رکھنا ہوگی کہ وہ جس علاقہ میں رہتے ہیں وہاں کے عمومی ماحول کے مطابق ان کے کنبہ کی ضروریات زندگی اس وظیفہ سے باعزت طور پر پوری ہو جائیں، ورنہ یہ ناانصافی اور حق تلفی شمار ہوگی۔ ایک اور بات بھی ہمارے ہاں کہہ دی جاتی ہے کہ جب ایک امام اور مدرس خود اس تنخواہ پر راضی ہے اور اسے قبول کر رہا ہے تو پھر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں تامل ہے اس لیے کہ ہمارے ہاں کسی شخص کو قاری اور عالم کے طور پر تعلیم وتربیت دینے کے دوران اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہ دینی خدمت کے سوا کوئی اور کام نہ کر سکے بلکہ اس کے کوئی متبادل ہنر یا ذریعہ روزگار سیکھنے کی عام طور پر حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ایک عالم دین کوئی متبادل

ذریعہ اختیار کرنے کی اول تو استعداد اور صلاحیت ہی نہیں رکھتا اور اگر کوئی شخص اپنی ذاتی محنت اور توجہ سے ایسا کر لیتا ہے تو اسے خود اپنے اساتذہ، ساتھیوں اور ماحول کی طرف سے تحقیر و استخفاف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ معاشرتی طور پر مجبور ہو جاتا ہے کہ دینی خدمت ہی کے دائرے میں رہے اور اسی کو معاش کا ذریعہ بنائے، چنانچہ اس مجبوری کے باعث وہ کم وظیفے پر راضی ہو جاتا ہے کہ چلو کچھ نہ ہونے سے تو یہ بہتر ہے۔ تو کیا اس کی یہ رضا شرعاً رضا شمار ہوگی؟ صاحبِ ہدایہ نے حضرت امام ابوحنیفہ سے یہ اصول نقل کیا ہے کہ لا رضا مع الاضطرار یعنی اضطرار اور مجبوری کی حالت کی رضا کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ میری طالب علمانہ رائے میں آج کی مساجد و مدارس میں اس کیفیت کے ساتھ دینی خدمات سرانجام دینے والے زیادہ تر حضرات اس کا اولین مصداق ہیں جو مسلسل زیادتی اور حق تلفی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور پہلو پر بھی غور فرما لیں کہ بعض حضرات سادگی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ فارغ اوقات میں کوئی اور کام بھی تو کر سکتے ہیں۔ اور ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ یہ بات زیادہ تر ان لوگوں کی طرف سے کی جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ علما کرام کو دینی خدمات تو بلا معاوضہ سرانجام دینی چاہئیں اور فارغ اوقات میں متبادل ذریعہ اختیار کر کے روزگار کا بندوبست کرنا چاہیے۔ یہ حضرات آج کے اس مسلمہ بین الاقوامی ضابطے کو بھول جاتے ہیں کہ کسی بھی شخص کی ڈیوٹی کے اوقات کار کا تعین ضروری ہے جو عام طور پر یومیہ چھ یا آٹھ گھنٹے ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اس کے اوقات کا اس کی گھریلو ضروریات، آرام، بیوی بچوں اور تفریح وغیرہ کے لیے فارغ ہونا اس کا بنیادی انسانی حق ہے جو اس کی ضروریات زندگی میں شامل ہے۔ اوقات کار کے حوالہ سے آج کے مسلمہ قانون کو اگر سامنے رکھا جائے جس سے اسلام بھی انکار نہیں کرتا تو ہمارے اساتذہ، ائمہ اور دینی خدمت کے دیگر رجال کار پہلے ہی اس دائرہ سے زیادہ وقت دے رہے ہیں اس لیے اس سے ہٹ کر ان پر کسی مزید ڈیوٹی اور کام کی ذمہ داری ڈالنا ان کی حق تلفی اور ان کے ساتھ ناانصافی کی بات ہوگی۔ دہلی کے مولانا مفتی محمد مسلم قاسمی کے مذکورہ فتوی کو دیکھ کر یہ چند معروضات پیش کرنے کا موقع مل گیا ہے ورنہ یہ مسئلہ بہت زیادہ توجہ اور فکرمندی کا تقاضہ کرتا ہے جو اہل فتوی کی دینی ذمہ داری میں شامل ہے بلکہ اس طرف توجہ نہ دینے والے حضرات بھی میری طالب علمانہ رائے میں اس ناانصافی میں شریک ہی سمجھے جائیں گے۔ رمضان المبارک کے رخصت ہونے کے بعد شوال المکرّم کے دوران ہمارے ہاں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوتا ہے جس میں مدارس و مساجد کے سال بھر کے معاملات طے پاتے ہیں اس لیے دینی مدارس کے وفاقوں، دینی جماعتوں، افتا و ارشاد کے بڑے مراکز اور مسلمہ علمی شخصیات سے گزارش ہے کہ وہ اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مساجد و مدارس کے شعبوں میں ان کے منتظمین کے لیے کچھ باقاعدہ اصول و ضوابط وضع کر کے ان کی راہنمائی کریں تاکہ وہ ان کی روشنی میں ائمہ، مدرسین، مؤذنین اور دینی خدمات کے دیگر رجال کار کے ساتھ مسلسل ہونے والی اس ناانصافی کی تلافی کے لیے کوئی معقول راستہ اختیار کر سکیں۔

میں مغرب اور میری پناہ

سراج منیر

پچھلے چند ہفتوں میں میں نے پابندی سے جو مغرب کے طرزِ فکر کے بارے میں پے بہ پے اپنے شکوک کا اظہار کیا تو بعض بزرگوں کو تشویش سی پیدا ہوئی۔ کچھ لوگوں نے تو یہ جانتے ہوئے کہ جو بھی میری ٹوٹی پھوٹی تربیت ہوئی ہے وہ روایتی ڈھانچے میں نہیں بلکہ مغربی تعلیمی ڈھانچے میں ہوئی ہے یہ گمان کیا کہ میں مغرب کو یکسر مسترد کر رہا ہوں، درآں حالے کہ میری شدید خواہش کے باوجود میرے لیے ایسا ممکن نہیں ہے۔ ایک پورے معاشرتی عمل نے ایک نظامِ تعلیم و تربیت نے میری ذہنی ساخت ایسی کر دی ہے کہ جس آدمی کو انگریزی نہ آتی ہو اسے میں جاہل جانتا ہوں اور جب تک اپنی بات کی سند میں دو چار انگریز اور فرانسیسی مصنفوں کے حوالے نہ فراہم کر لوں طبیعت میں ایک اضطراب سا رہتا ہے کہ پتہ نہیں لوگ اس بات کو تسلیم بھی کریں گے کہ نہیں۔ تو اس گہرے احساسِ کمتری کو جو کوٹ کوٹ کر مجھ میں قومی سطح سے جما دیا گیا ہے میں یک قلم مسترد نہیں کر سکتا، لیکن بہر حال اس کی موجودگی کا علم رکھنا بھی میرا ایک حق ہے۔ خیر بات صرف اتنی ہے کہ میرے لیے ایک نیا سوال پیدا ہو گیا ہے۔ مغربِ جدید کے علم و فنون کی طرف میرا کیا رویہ ہے، کیوں ہے اور سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میری عمر کے ایک آدمی کے لیے جو مشرق سے تقریباً نابلد ہو، جب مغربِ جدید کی ترقی پر ایمان بالغیب میں رخنہ پڑ جائے تو اس کی تقلید کیا ہو گی!

کچھ دن ہوئے ہیں کہ میں نے حلقے کے ایک اجلاس میں بے شرمی سے اعلان کر دیا کہ مغربی علوم پر سے میرا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ اس سے دوسروں کی صحت پر کیا اثر پڑتا تھا میرا اعتبار اٹھتا ہے تو اٹھتا رہے؛ لیکن اب میں اپنے احساس کا نہایت سنجیدگی سے تجزیہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ کسی اور کے لیے یہ کوئی مسئلہ ہو یا نہ ہو مگر میرے لیے تو پچھلے دس بارہ سال کے اس سرمایہ کا مسئلہ ہے جو میں نے چند مغربی مصنفوں کے فقرے، ان کے حوالے، کتابوں کے نام اچک کر جمع کیا ہے۔ ایک بات کا پتہ ہے کہ میرے اس احساس کی تہہ میں سلیم احمد کی رائے بھی ہے (جو کچھ غلط صحیح میں انھیں سمجھا ہوں) حسن عسکری صاحب مرحوم کا اثر بھی ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے رنگین خیالات بھی (جو ان کی پانچ کتابوں کے غیر ذمے دارانہ مطالعے سے میں نے اخذ کیے ہیں) تو احساس کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے مجھے اس کا سرا ڈھونڈنا ہو گا۔

مشرقِ بعید کے سلوک کے طریقوں میں ایک عقیدہ یہ پایا جاتا ہے کہ ہر آدمی اپنے ساتھ ایک معما لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کے بڑے بڑے سوال اسی معمے کا عکس ہوتے ہیں اور جس دن وہ معمہ حل ہو جائے تو اس آدمی کی زندگی کا

جواز ختم ہو جاتا ہے۔ قدیم چینی سلوک میں اس معمے کو ''کوآن'' کہتے ہیں تو سب سے پہلے مجھے ان بڑے سوالوں کی تلاش کرنی چاہیے جن کا جواب دریافت کرنے کے لیے کسی نہ کسی سطح پر میں کوشاں رہا اس لیے کہ یہی وہ سرا ہے جس سے میں اپنے بنیادی مسئلے کو سمجھنے کی طرف ایک قدم بڑھا سکتا ہوں تو سب سے پہلے میں نے شعوری سطح پر خود سے پوچھا: یورپ کی ہر چیز اچھی کیوں ہوتی ہے؟ کپڑے، قلم، موزے، بستر، کتابیں، خیالات، ہر چیز جو یورپ سے آتی ہے ہمیں اچھی لگتی ہے۔ کپڑوں اور موزوں سے مجھے دل چسپی ذرا کم ہی رہی ہے۔ لہٰذا میرا مسئلہ شروع ہوتا ہے کتابوں اور خیالات سے۔ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۶۰ء میں ہمارے چھوٹے سے شہر میں جب میں غالباً چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا تو میں نے پہلی بار ایک ماسٹر صاحب کے پاس آکسفورڈ ڈکشنری دیکھی تھی اور یہ وہ پہلی کتاب میری نظر سے گزری تھی جو نہ صرف شروع سے آخر تک انگریزی میں لکھی ہوئی تھی کہ اس کو پڑھنے کے لیے ڈھیروں علم کی ضرورت تھی۔ میں بہت مرعوب ہوا۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں شروع ہی سے ایک دھانسو آدمی رہا ہوں گا لیکن میرا سوال ہے کیوں؟ خیر اس بات پر آگے چل کر بحث کریں گے۔

فی الحال جو صورت سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ میرے لیے شروع سے یورپ کی مادی ترقی ان کے افکار کی صحت بنی یعنی جس طرح سرسید مرحوم مرعوب تو کموڈ دیکھ کر ہوئے اور اس بنیاد پر انھوں نے ٹھونس ہم پر دیا کارلائل اور میکالے کو۔ گویا سرسید کا ایمان بھی قطعاً بالغیب نہیں تھا بلکہ اس کی دلیل محکم کموڈ کی شکل میں ان کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ مجھ پر ایک عرصہ اس شوق کا گزرا کہ یورپ کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے معلوم کر لو۔ یورپ کی چھپی ہوئی کتابیں پڑھتے ہوئے میری توجہ عموماً دلائل سے زیادہ اس طرف رہتی تھی کہ مصنف کہتا کیا ہے۔ جب بات یوں ہی مان لینی ہے تو دلائل پڑھنے میں وقت ضائع کرنے سے فائدہ۔ اسی دوران ایک عجیب بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک ہی معاملے پر دو مستند انگریز دو مختلف رائیں رکھتے تھے۔ اب یہاں آکر معاملہ کچھ پیچیدہ ہو گیا، دونوں یورپی اور دونوں کی رائیں متضاد، ان کی رائے قبول کرنے کی سند ہمارے پاس واحد یعنی ان کا یورپی ہونا۔ چنانچہ ایسی ہی ایک صورت حال میں مجھ پر یہ تکلیف دہ انکشاف ہوا کہ یورپ کے کسی مصنف کی بات میں غلطی کا احتمال بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یورپ کے علمی اور فکری انتشار کی صورت واضح ہوتی گئی اور اس منظر کو واضح کرنے میں ادب کا خاصہ حصہ رہا جہاں تکنیک کا تنوع ہی انسان کے بنیادی انتشار کو ظاہر کرتا تھا۔ اس کے علاوہ جو کیفیت شاعری یا ناول سے ظاہر ہوتی تھی وہ خوف زدہ کر دینے والی تھی لیکن یہ بات عام نہیں ہے، اس لیے مغرب کا ادب مختلف زمانوں میں مختلف کہانیاں سناتا تھا۔ لہٰذا جب وہاں کے علوم کو ادب کے ساتھ ملا کر پڑھنے کی چاٹ پڑ گئی تو اس بات کا بھی شوق ہوا کہ ان تبدیلیوں کی وجوہات بھی دریافت ہوں۔ لیکن اس سے پہلے ادب اور علوم کو ملا ملا کر پڑھنے کے مختصر سے تجربے کا میں تجزیہ کروں اور ذرا اس ادب کے مختلف زمانوں میں مختلف کہانیاں سنانے والی بات کو واضح کرتا جاؤں تو مناسب ہوگا۔ مثلاً یہ کہ

فارسی اردو میں آپ شروع سے آخر تک پڑھتے چلے آیئے، ہستیوں کی تبدیلی اور زمانوں کے فرق کے باوجود آپ کا اور آپ کے مصنف کا ایک محکم رابطہ رہے گا اور کہیں آپ کو اپنی wave length تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوگی۔ خلسان کے دور سے غالب تک کوئی ایسی کیفیت دکھائی نہ دے گی جہاں شاعری کا باطنی منظر یا جسے معنویت کے معنی کہتے ہیں تبدیل ہو جائیں اور آپ کو بدلے ہوئے معنی سے خود کو دوبارہ ہم آہنگ کرنے کی ضروریات پیش آئے گویا اس پوری روایت کی اپنی ایک شخصیت ہے لیکن مغربی ادب کو سمجھنے میں ایک بڑی مشکل یہ حائل ہے کہ ہر سو دو سو سال کے بعد منظر ایسا بدلتا ہے کہ پورا طرز احساس ہی باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب تو یہ حال ہے کہ سو دو سو سال کی بھی قید اٹھ گئی ہے۔ ہر تیسرے دن ایک نیا منظر سامنے آجاتا ہے۔ مطلب اس ساری گفتگو سے یہ ہے کہ جو چیز اولاً میں نے یورپ کے ادب کو پڑھتے ہوئے محسوس کی کہ وہ صرف اتنی تھی کہ ہر تھوڑی دیر کے بعد خود کو اس سے دوبارہ ہم آہنگ کرنے کے لیے اپنی شخصیت اور اپنے ادب پڑھنے کے طریقے میں کتر بیونت کرنی پڑتی ہے۔ اس بات کو یعنی یورپ میں طرز احساس کی تیز تر تبدیلیوں کو میں نے مغربی نفسیات کی کلید سمجھا اور اولاً مشرقی ادب پر اس کی برتری کی دلیل۔

خیر یہ تو ادب کی بات ہے اور جسے میں آج بھی مغرب کے بارے میں اپنی ہر رائے پر ایک معتبر گواہ کی طرح پیش کرتا ہوں۔ تو بہر حال ادب کے حوالے سے میرے لیے بنیادی مسئلہ مغرب کی قومی نفسیات بنی اور یہ احساس ہوا کہ مغرب کے نفسیاتی پس منظر کو سمجھے بغیر علوم وفنون اور ادب کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اگر اس کو سمجھے بغیر کوئی رائے قائم کی گئی وہ یقیناً غلط ہوگی، اس لیے کہ وہ علوم بھی جنھیں ہم معروضی علوم کہتے ہیں مغربی قوموں کی بنیادی نفسیات سے الگ نہیں ہیں۔ اسی مقدمے پر غور کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ علوم انسانی کے بارے میں تو خیر یہ بات درست ثابت ہو سکتی ہے کہ قومی، نفسیات اور حتیٰ کہ سیاسی مفادات بھی ان علوم کی ساخت میں شامل ہیں؛ لیکن وہ علوم جنھیں ہم نیچرل سائنسز سے متعلق قرار دیتے ہیں ان کے بارے میں یہ رائے کس طرح قائم کی جا سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب جلد ہی مل گیا۔ یہ تو خیر نہیں ہوتا کہ صریحاً کوئی ایسی بات کر دی جائے جو حقائق کے خلاف جاتی ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ سیاسی مفادات اور جذباتی مناسبات ان علوم کو ایک ایسی مخصوص سمت میں ترقی دیتے ہیں جو بقیہ سیاسی، معاشرتی اور جذباتی ڈھانچے سے ہم آہنگ ہو جیسے جیسے سیاسی مصلحتیں تبدیل ہوتی جاتی ہیں، علوم کا رنگ ڈھنگ بھی بدلتا چلا جاتا ہے۔

اس کی بھی ایک بنیادی وجہ ہے جس کو سمجھے بغیر مجھے مغرب کی علمی دنیا کا اصول سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا۔ مسئلہ یہ ہے کہ علوم وفنون کہیں خلا میں تو پیدا ہوتے نہیں بلکہ ان کے پیچھے گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں اور ان انسانوں پر پڑنے والا ہر اثر ان کے میدان علم میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس بات کو مان لینے کے لیے پہلی نظر میں مشرق ومغرب کے علوم کے پیچھے حرکی

اصول مجھے واحد دکھائی دیا یعنی انسانی شخصیت اپنے جذبات اور خیالات کے ساتھ، اپنی پسند اور ناپسند سمیت۔ لیکن آنند کمار سوامی نے فوراً تنبیہ کی کہ مابعد الطبیعیاتی اصول پر بنیاد رکھنے والے کسی بھی معاشرے میں کسی صورتحال کا ارتقا اٹکل پچو نہیں ہوتا بلکہ اس کے متعین اصول ہوتے ہیں جو اس صورتحال کے پس منظر میں کام کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مشرق میں علوم کے حصول سے پہلے انسانی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ متعینہ کائناتی اصولوں سے مطابقت پیدا کرے۔ لیکن ایک عرصہ ہوا کہ مغرب سے مابعد الطبیعیات کا جھگڑا ہی فیصل ہو گیا ہے ہر علم کا اپنا الگ طریقہ ہے اور اس کے اپنے اصول جو وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ پھر ان اصولوں کی حرکت کے پیچھے بھی ایک تصور رہا۔ ذرا پہلے اسے سمجھنے کی داستان بیان کر لوں پھر آگے بڑھوں گا۔

میرا اپنا یہ اصول رہا ہے کہ ہر روایت کے بارے میں رائے محکم اس روایت سے منسلک لوگوں کو سمجھا تا ہوں مثلاً میرا خیال یہ ہے کہ نکلسن اور آربری اپنے سارے علم کے باوجود اسلام کو اتنا نہیں سمجھتے جتنا میرے گھر کے پاس والی مسجد کے مولوی صاحب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح مغرب کی جو صورت حال ہے اس کے لیے بھی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی طرف سے عقلی گڈے بازی کرنے کی بجائے ان کے مستند نمائندوں کی رائے پر انحصار کیا جائے تو چلیے ایک زمانے تک مجھے از راہِ فیشن و جودیت پرست بننے کا خبط بھی رہ چکا ہے لہٰذا اپنے سابق پیر سارتر سے گواہی طلب کرتا ہوں۔ سارتر کی گواہی عام طور پر لوگوں کے لیے اس لیے بھی قابل قبول ہوگی کہ حضرت رینے گینوں کی طرح وہ مغرب کو مسترد نہیں کرتا، سپنگلر کی طرح تہذیب مغربی کے زوال کا فیصلہ صادر نہیں کرتا، بہر حال سارتر کا کہنا ہے کہ مغرب میں سائنس کی دنیا اور عیسوی عالَم کے درمیان ایک صلح نامے پر دستخط ہوتے ہیں اور اس صلح نامے کا نام نیچر ہے۔ یہ لفظ بیک وقت عیسوی تصور عالَم کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے اور سائنسی تصور کو بھی بیان کرتا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اس لفظ کا ترجمہ فطرت نہیں کیا اس لیے کہ عسکری صاحب نے کہا ہے کہ نیچر ایک ایسا لفظ ہے جس کا مترادف مشرق کی کسی زبان میں موجود نہیں ہے۔ بقول سارتر نیچر ایک ایسی پناہ گاہ تھی جس میں عیسائی، خدا پرست، وحدت الوجودی، ملحد، دہریے، سب ہی پناہ گزیں تھے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک مجھے یہ خیال رہا کہ اگر میں نیچر کے مغربی تصور کو اچھی طرح سمجھ لوں تو میں مغرب کی اس روح کو کم از کم کسی حد تک ضرور سمجھ سکتا ہوں جو انیسویں صدی کے اوائل تک وہاں موجود تھی۔ مجھے بعد میں اندازہ ہوا کہ میرا خیال کچھ اتنا غلط بھی نہ تھا۔ مغرب کے سارے جبلی فلسفوں کی بنیاد چاہے وہ سرمایہ دارانہ معاشیات ہو، ۱۸ویں صدی کا معاشرتی بیوہار ہو یا پھر ڈارون کا نظریہ ارتقا ہو..... نیچر کا تصور ہر صورت حال کے بطن میں کارفرما ہے۔ نیچر ہی کے تصور نے روسو کے عالی مرتبت وحشی کو جنم دیا تھا تو اب میری سمجھ میں آیا کہ کس طرح ایک واحد تصور مختلف علمی میدانوں کو یک جا کر سکتا ہے۔ چنانچہ انیسویں صدی تک نیچر کا وظیفہ سائنس اور فلسفہ بھی پڑھ رہے ہیں اور سماجیات اور اخلاقیات بھی۔ اس کی سیدھی سادی وجہ یہ ہے کہ اس اصطلاح کے کوئی بہت متعین معنی مغرب کی زبانوں میں بھی موجود نہیں

ہیں، الہٰذا یہ اصطلاح متضاد رویوں کو ہضم کر لیتی ہے۔

خیر جو کچھ بھی ہو میں اس پر صحیح یا غلط ہونے کا فتویٰ لگانے کا حق نہیں رکھتا میں تو صرف اپنے رویوں کا تجزیہ کر رہا ہوں، ان حوالوں کے ذریعے جن سے ان رویوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ تو نیچر کے معانی اور مراتب ہیں، اس تصور کی ایک سیاسی ضرورت ہے۔ اس کے پیچھے مٹا ہوا ایک Natura Naturata اور Natura Naturana کا فرق ہے جس سے قدیم مغربی فکر میں نیچر کے صحیح تصور اور اس کے مراتب وجود کو سمجھا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف ہمارے سرسید ہیں جن کے پاس ایک اصطلاح ہے اور اس کے کچھ غیر واضح معنی جو انھوں نے سن سنا کر اور اپنے ناقص مطالعے سے جمع کیے ہیں اور وہ ہماری تہذیب کے پہلے نیچری مسلمان ہیں۔ ہمارے ہاں اس اصطلاح کی آمد کا مطلب ہی یہ تھا کہ ہم ایک فکری انتشار کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی کہا ہے کہ کسی قوم میں فساد پھیلنے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ قوم غلط ارتفاق اختیار کر لیتی ہے۔ ہمارے ہاں اس اصطلاح کی آمد ایک غلط ارتفاق کا آغاز تھا۔

میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مغرب میں نیچر کی گردان ختم ہو رہی تھی کہ ہمارے ہاں پہلا نیچری مسلمان پیدا ہوا۔ چنانچہ اب نیچر کے اس تصور کے ساتھ جو فکر پیدا ہوئی اس کو قبول کر لینے میں مجھے کوئی عار نہ تھا اور ایک عرصے تک اس پورے سرمائے کو میں نے قبول بھی کیے رکھا ہے۔ اس کے بارے میں کوئی خیال اور کوئی اعتراض میرے ذہن میں پیدا نہیں ہوا۔ اس تصور کائنات کی آگاہی نیوٹن کی فزکس میں، ڈارون کی حیاتیات میں اور ہیگل کے بعد کے سارے فلسفے میں ملتی ہے۔ سو میں مشرق کا ایک نیم خواندہ آدمی جسے ان علوم کی ہوا تک نہ لگی ہو، ان پر اعتراض کرنے کی جرأت کس طرح کر سکتا ہوں۔ لیکن میں نے ان علوم کے سماجی پس منظر پر کچھ غور بھی کیا ہے ان کے سیاسی اطلاقات دیکھنے کی کوشش بھی کی ہے لہٰذا علمی لحاظ سے یہ باتیں چاہے وقیع نہ ہوں لیکن بہرطور میرے تجربے کا حصہ ہیں انھیں تو دیکھ ہی لیجیے۔

نیچر کے تصور کے پیچھے ایک کہانی اور بھی ہے جس طرح یورپ کی زیرزمین سری تحریکیں اس تصور کو پھیلانے کے لیے کام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، اس پر میں زیادہ گفتگو نہیں کرتا صرف یہ ہے کہ روزی کروشن تحریک نے جس طور یورپ میں پہلی مرتبہ استعماریت کو باقاعدہ ایک نظریے اور ایک مذہبی فریضے کی شکل دی ہے اس پر نظر رکھیے اور دو بہت اہم آدمیوں کے اس سے تعلق کا جائزہ لیجیے جو ایک طور سے جدید فلسفے اور جدید سائنس کے باوا آدم گنے جاتے ہیں۔ یہ دو آدمی ڈیکارٹ اور بیکن ہیں۔ فرانسیس ٹیس نے شواہد کے ساتھ ان دونوں کا تعلق روزی کروشن تحریک سے ثابت کیا ہے جو اپنی اصل میں ایک سیاسی مذہبی سری تحریک تھی۔ پھر یہاں یہ بھی نہ بھولیے کہ یورپ میں تجرباتی سائنس کے سب سے بڑے ادارے یعنی رائل کالج کی بنیاد ڈالنے والے بھی روزی کروشن تحریک کے ہی چیلے تھے۔ یہ کچھ سائنس دانوں اور فلسفیوں کی باتیں تھیں۔ ڈپلومیٹ اور سفیر

بھی اس رو سے نہ بچے تھے۔ یعنی سر تھامس رو جو جہانگیر کے دربار میں سفیر بن کے آیا، وہ بھی جان ڈی کی وساطت سے روزی کروشن تحریک میں شامل تھا۔ معلوم یہ ہوا کہ یورپ میں استعماریت اور تجرباتی استعماریت اور تجرباتی سائنس کا فلسفہ ایک ساتھ ہی بلند ہوا ہے اور یہ دونوں باتیں یکسر غیر متعلق نہیں ہیں۔ پھر دوسرے مرحلے پر جب استعماریت کے قدم جم چکے ہیں تو مغرب کے سارے علوم میں نیچر کا تصور پیدا ہوا ہے جس کا سیاسی اطلاق صرف یہ ہے کہ جو چیز جس حالت میں ہے ویسی ہی درست ہے اور ایک ابدی قانون اور کونیاتی تدبیر کے مطابق ہے اور کسی صورت حال کے جواز کو چیلنج کرنا دراصل اس ابدی قانون کے خلاف سر اٹھانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس تصور کو حیاتیاتی سطح پر کمک Survival of the fittest کے نظریے سے پہچانی جاتی رہی۔ مغربی علوم اور فلسفیوں نے اس طرح استعماریت کی جواز جوئی کی ہے کہ پال نزان (Paul Nizan) نے انھیں ''چوکی دار کتوں'' کا خطاب دیا۔ یعنی پال نزان کی گواہی یہ ہے کہ مغربی علوم اور فلسفے استعماری مفادات کی کتوں کی طرح نگہبانی کرتے رہے ہیں۔

یہاں یہ نہ بھولیے کہ جبری فلسفے مغرب میں استعمار کے اس مرحلے کی پیداوار ہیں اور اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ جبری فلسفہ تاریخ نے سب سے زیادہ عروج اسی دور میں پایا ہے۔ یہاں میں اس بات کی طرف صرف اشارہ کیے دیتا ہوں اور تفصیلی گفتگو کو پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔ بہر حال تو یہ مفادات تھے جو ان علوم و نظریات و مفروضات کے پیچھے کام کر رہے تھے اور انھیں ایک بار سمجھ لینے کے بعد میں مغرب سے درآمد تصورِ نیچر کا مخالف ہو گیا۔

اب اس سے ذرا آگے بڑھیے تو تیسرا مرحلہ سامنے آتا ہے یعنی وہ وقت ہے جب استعماریت کے قدم مشرقی زمینوں سے اکھڑنے شروع ہوتے ہیں، اب اگر وہی نیچر والا فلسفہ قائم رہتا تو مشرقی قوموں کا استدلال یہ ہوتا کہ یہ سب کچھ اسی ابدی قانون کے مطابق ہو رہا ہے لہٰذا یکا یک مغرب کے روحانی اور علمی منظر نامے سے نیچر کا تصور غائب ہونے لگتا ہے اور کلچر کا تصور ابھرنے لگتا ہے گویا اب مشرقی قوموں پر برتری کا تصور جسمانی سطح سے اٹھ کر روحانی اور فکری سطح پر آ گیا ہے۔ چنانچہ ادھر مغرب کے اس رخ کی بات سمجھ میں آئی اور میں نے اپنا قبلہ درست کر لیا۔ سرسید نیچری مسلمان تھے اور انتظار حسین کلچری مسلمان ہیں۔ میرے لیے یہ دونوں مغربی فکر کے دو مرحلوں کی نشاندہی کرتے ہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ خیر تو میں بھی کلچری مسلمان ہوا کرتا تھا۔ اب اس دور کا قصہ سن لیجیے۔ میرے کلچری مسلمان ہونے کے پیچھے مغرب کے ایک بزرگ کا یہ قول کام کر رہا تھا کہ ''انیسویں صدی'' فلسفہ و تاریخ کی صدی تھی اور بیسویں صدی سماجیات تہذیب کی صدی ہے۔'' اب میں بیسویں صدی کا ہی ایک آدمی رہنا چاہتا تھا چنانچہ بلا کسی تردد کے میں کلچر کے تصور پر ایمان لے آیا۔ کلچر کا مسئلہ یہ ہے کہ تمام علوم و فنون کلچر کے تابع رہے ہیں۔ مغرب کے سیاسی رجحانات نے جس طرح کلچر کے تصور کو اپنے مفادات کے مطابق

ایک شکل دی وہ آپ سے کچھ پوشیدہ نہ ہوگی۔ اگر چہ کچھ عرصہ پہلے مجھ پر ظاہر نہ تھی خیر پھر کلچر کے ضمن میں اور بہت سے علوم پیدا ہوئے جس طرح دوسرے مرحلے میں علوم نیچر کے تصور کو قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے ایسی ہی صورت حال کلچر کے ضمن میں ہوگئی اور نفسیات، سماجیات، معاشیات، انسانیات جیسے علوم نے کلچر کے مغربی تصور کو استحکام بخشنا شروع کر دیا۔ میں کلچر کے تصور سے اپنے مرتد ہونے کی داستان اپنے ایک اور مضمون دین روایت اور تہذیب میں بیان کر چکا ہوں اس لیے اب اسے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بہر کیف ایک مثال یہاں سارتر کے حوالے سے ہی پیش کرتا ہوں تا کہ واضح ہو سکے کہ علوم کے پیچھے کیا کیا تصورات کام کر رہے تھے۔

> ''انھوں نے (مغربی ماہرین علوم) نے مروجہ نظریوں کو سائنسی قوانین کی شکل دی، استعماری دور میں نفسیات دانوں نے زبردست مطالعے کیے تا کہ افریقیوں کی کمتری کو ثابت کر سکیں، مثلاً اناٹومی اور فزیالوجی کی بنیاد پر جس کا تعلق ذہنوں کی ساخت سے تھا۔ اس طرح انھوں نے بورژوا انانیت کو قائم رکھنے میں مدد دی جس کا مطلب تھا کہ تمام انسان برابر ہیں سوائے محکوموں کے جو محض انسانوں کا سایہ ہیں۔''

چنانچہ جناب کلچر کے تصور میں اس طرح مروجہ نظریات کو علمی قوانین کی حیثیت دی جا رہی تھی۔ اس بات کو نظر میں رکھیے اور ذرا آگے بڑھیے ان علوم کی طرف جنھوں نے انیسویں صدی کے آخر یا بیسویں صدی کے شروع میں رواج پایا یعنی میری مراد خاص طور پر نفسیات اور انسانیات سے ہے۔ اس لیے کلچر کے تصور کو کمک پہنچانے میں ان دونوں علوم کا بہت بنیادی رول ہے۔

بعض مغربی ماہرین نفسیات کو مغربی فلسفے کی ناجائز اولاد بتاتے ہیں واضح رہے کہ یہ اصطلاح میری نہیں ہے بلکہ مغربی ماہرین ہی کی ہے۔ خیر نفسیات کے ابتدائی مرحلوں میں جس طرح لاشعور کے تصور کی ترویج کی گئی اس سے ہمارے ہاں لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ گویا شعور لاشعور، لاذات، فوق الانا وغیرہ مفروضے نہیں بلکہ سائنسی حقیقتیں ہیں۔ مغرب میں بیسویں صدی کی ابتداء سے جو نفسیات کا غل مچا ہے تو اب تک تھمنے میں نہیں آتا اور ہمارے ہاں ان کے پیروکار فوراً ہی پیدا ہو گئے۔ خیر میرا گمان یہ ہے کہ یورپ میں یہودی عیسائی آویزش کا نفسیات کی ترویج میں بڑا دخل ہے بلکہ شہزاد احمد نے مجھے بتایا کہ نفسیات دانوں کی انجمن کا صدر جب سے یونگ بنا ہے تو یہودی نفسیات دانوں نے باقاعدہ طور پر اس کی مخالفت کی اور فرائڈ کی ذاتی دل چسپی کے بعد یہ ہنگامہ فرو ہوا۔ نفسیات کی موجودہ شکل سے مغربی انسان کے نفس باطن کے بارے میں بہت ساری باتوں کا استنباط کیا جا سکتا ہے مثلاً ایک تو لاشعوری نفسیات نے انسان کو جرائم کی ذمے داری سے

نجات دلا کر اس احساسِ گناہ سے چھڑانے کی کوشش کی جو صدیوں کی استعماریت نے مغرب کے ذہن میں بٹھا دی تھی، پھر یہ ہوا کہ مغربی نفسیات کی بنیادی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دی گئی۔ یعنی فرائڈ نے تصورِ انسان وہ لیا جو انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں مروج تھا اور جو کوئی بھی اس پر پورا نہ اترا ہے وہ ''غیر معمولی'' ٹھہرا ہے۔

خیر فرائڈ کا نقطۂ نظر اس حد تک نقصان دہ نہیں ہے جتنی یونگ کی اجتماعی نفسیات، اس نفسیات کے نہایت خطرناک اطلاقات میری سمجھ میں اس وقت آئے جب میں نے اس سے منسلک سیاسی نظریوں پر ایک نظر ڈالی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ مغرب کے قدم جب ان زمینوں سے اکھڑنے لگے ہیں تو جو تحفہ وہ ہمیں دے کر گیا ہے وہ نسلی قومیت کا تحفہ ہے اس کی جہاں نسلی بنیاد موجود تھی وہ تو تھی ہی جہاں نہیں تھی وہاں علم آثاریات کے تحت فراہم کر دی گئی ہے۔ سر جان مارشل، کرنل چرچ وارڈ اور مارٹیمر وہیلر وغیرہ کی سیاسی وابستگیوں کی بات اب کچھ اتنی ڈھکی چھپی نہیں رہی ہے کہ اس کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔ خیر تو ادھر قدیم تہذیبوں کی دریافت شروع ہوئی ادھر سے یونگ صاحب نے نسلی بازیافت کی نفسیات کا تحفہ بھیجا اور مشرق دو پاٹن کے بیچ۔ لیکن خیر ایک بہت اچھی بات جو نفسیات کے دبستانوں کے ذریعے یورپ میں پیدا ہوئی، وہ خود شعوری کی کوشش ہے۔ ادب میں تو یہ بات بہت پہلے سے موجود ہے۔

یہاں میں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ یورپ کے علوم چاہے کچھ بھی کہتے رہیں۔ یورپ کے ادیبوں کی اکثریت نے سچ بولا ہے۔ اصل میں مجھے جس چیز نے یورپ کے علوم کو بہ نگاہ شک دیکھنے پر اکسایا وہ ان کا ادب تھا اگر واقعی علم کی دنیا اسی طرح وسیع ہو رہی ہے جیسا کہ مغرب کا سرکاری دعویٰ ہے تو وہاں ایک طمانیت کی صورت ہونی چاہیے تھی لیکن ایسا نہیں ہے۔ جدید نفسیات دانوں کی تحریریں دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ مغرب میں انسان اپنے ایسے بحران سے گزر رہا ہے جس سے اس کا سابقہ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ خیر تو نفسیات پر جو میرے اعتراضات ہیں وہ صرف یہ کہ ایک تو نفسیات کے ہر دبستان نے مغرب کے موجودہ آدمی کو ہی انسان کا واحد نمائندہ فرض کر کے اپنے استخراجات کا عالمی اطلاق شروع کر دیا دوسرے یہ کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں علمی اور نظری نفسیات کا جو عظیم ذخیرہ محفوظ تھا اس کی طرف کسی نفسیات داں نے توجہ دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی ہے۔ ہندومت میں اور پھر چینیوں کے ہاں انسانی نفسِ باطن کے بارے میں ایک پورا منضبط علم رہا ہے پھر مسلمان صوفیاء کے ہاں جو عملی نفسیات کا نظام ہے اس کی طرف ایک نظر ڈال لیجیے۔ ہمارے ہاں عسکری صاحب نے اور ڈاکٹر اجمل نے چند بنیادی نوعیت کے مضامین لکھے ہیں ان کا ایک سرسری مطالعہ بھی ہمیں صورت حال کے بارے میں ایک اندازہ قائم کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ ہر دور کے اپنے چند علوم ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً اٹھارویں صدی تک مغرب میں فلسفہ بنیادی علم سمجھا جاتا تھا۔ انیسویں صدی میں طبیعیات کو یہی حیثیت حاصل تھی اور اب آ کر یہ صورت حال

نفسیات کے ساتھ ہے۔

ایک اور علم کا ذکر یہاں بہت ضروری ہے جس کی بنیاد ایک طرف نفسیات پر اور دوسری طرف آثاریات پر رہی ہے اور یہ علم ہے انسانیات کا۔ اگر آپ مغرب کی تاریخ فکر کو مرحلہ وار دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ایک زمانہ تھا جب علوم کے ضمن میں انجیل کی کتاب پیدائش پر بڑا انحصار کیا جاتا تھا لیکن پھر بعد میں ایک طرح سے اس کا مضحکہ اڑایا جاتا رہا۔ اصل میں مغرب کے ذہن میں ایک بہت بڑا کانٹا موجود رہا ہے میں نے اسے جس طرح سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ مغرب جب تاریخ سے باہر نکلتا ہے تو اس کے سامنے دو راستے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو مقدس روایتوں کا راستہ ہے اور دوسرا صنمیات کا۔ مغرب کی روح میں ایک دوئی موجود ہے جو تمام علوم میں ظاہر ہوتی ہے یعنی ہیلنیت اور عیسائیت۔ اور یہ دراصل ایک ملبوس ہے جو یونانیت نے اپنے جسم پر لپیٹ رکھا ہے۔ یہ بات بھی میں اپنی طرف سے نہیں ہانک رہا ہوں بلکہ اگر اس کا ثبوت چاہیے تو ذرا پیچھے جانا پڑے گا۔

۳۸۱ء میں یونان میں ہی تثلیث کا مسئلہ کھڑا ہوا اور یہودیوں سے اس مسئلے پر شدید اختلاف ہوا ہے۔ اسی کے بعد سے یہودی قاتلان مسیح بھی قرار دیے گئے ہیں۔ بہرکیف چوتھی صدی کے لگ بھگ یونانی روح اپنے آپ کو عیسوی جسم میں تخلیق کر رہی تھی بالکل اسی طرح جس طرح چینیوں نے بدھ مت کی World Form لے کر اس میں اپنی قدیم چینی دانش کا احیاء کر لیا تھا۔ خیر تو یونانی روح نے اپنے عیسوی قالب پر جلد ہی غلبہ پا لیا اور یہی وجہ ہے کہ مغرب جب ماورائے تاریخ کی طرف جاتا ہے تو اس کا رخ صنمیات کی طرف ہوتا ہے۔ خیر یونانی صنمیات کے بارے میں مغربی عالم جو چاہے طوطا مینا کی کہانی سناتے رہتے ہمیں کیوں اعتراض ہوتا لیکن اصل میں قضیہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ انتھروپالوجی کے لنگڑے لولے مفروضات کی بنیاد پر مذہب کی مظہریات کی تفسیر فرمانے لگتے ہیں۔ میں اس بات کا قائل ہی نہیں ہوں کہ مذہب کی مظہریت کو مادی نظریات سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ مغرب میں سوائے مذہبی وجودیوں کے اور جتنے لوگوں نے مذہب کو سمجھنے کی کوشش کی ہے ان کا نقطۂ نظر یا تو سماجیاتی ہے یا نفسیاتی اور نفسیاتی بھی لاشعور والی۔ الحاد جدید کی بنیاد مذہب کی صورت حال کو غلط طور سے سمجھنے کی کوشش پر ہے خیر مسلمانوں کا تو کچھ نہیں بگڑا البتہ ہندوؤں اور بدھسٹوں کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے اور مذہب کو ایک خالصتاً انسانی نظریہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ مغرب جدید کی روح عیسویت سے گریز کر کے یونانی صنمیت کی طرف رجوع کرتی ہے اور پھر مختلف اساطیر کی ایک خاص انداز میں تفسیر کرتی ہے۔ چنانچہ اس عمل سے دو کام لیے گئے ہیں اور ان کے پیچھے کیا کچھ تھا وہ دیکھیے۔ انتھروپالوجی نے مختلف تہذیبوں کو خاص مغربی نقطۂ نظر کے مطابق سمجھنے کی کوشش میں تہذیبوں کی دم ایک دوسرے سے باندھ دی ہے اور بقول سلیم

احمد جہاں دم نہیں ملی وہاں اپنی طرف سے رسی باندھ دی ہے۔اس سارے عمل کے ذریعے مقصود یہ تھا کہ تاریخ کے عمل کو ایک یک رخا عمل ثابت کیا جائے اور ہر بعد میں آنے والی تہذیب کو اس سے پہلے موجود تہذیب کی بہتر شکل بتائی جائے۔

عالمی انسانی وحدت کا یہ شعور پاسکل سے پہلے مغربی فکر میں موجود نہیں ہے چلیے انسانی وحدت کا یہ شعور بھی اپنی جگہ بہت درست ہے لیکن ذرا اس کا سیاسی، معاشرتی اطلاق کر کے دیکھیے تو آپ کو علم ہوگا کہ آخر مغرب کو اس تفسیر پر اتنا اعتقاد کیوں ہے۔وجہ یہ ہے کہ انسانیات کی اس تفسیر کے بغیر آپ کی ترقی یافتہ، ترقی پذیر اور پس ماندہ کی علامتی تقسیم بھی تو وجود نہیں رکھتی۔اسپنگلر کا کہنا ہے کہ مغربی یورپ کی تہذیب وہ واحد تہذیب ہے جو قدیم، متوسط، جدید کی زمانی منطق میں سوچتی ہے اور ترقی یافتہ ترقی پذیر اور پسماندہ دراصل اسی زمانی منطق کا عملی اطلاق ہے اور اس کے پیچھے جذبہ یہ ہے کہ انسانیت کے عالمی سفر کا اگر کوئی حاصل ہے تو مغرب جدید کی تہذیب ہے۔ہمیں اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں تھا لیکن ہم یہ ضرور جاننا چاہیں گے کہ یہ تہذیب جو انسانیت کے ثمر کا حاصل ہے آخر کیا؟ تو اس کی گواہی ہم لیتے ہیں اس تہذیب کے ادب سے۔تو اس کا عالم یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس جہنم کا کوئی تصور نہیں ہے تو اسے قائم کرنے کے لیے جدید مغربی ادب کا مطالعہ کیجیے جہاں فرد کے پاس سوائے خودکشی کے اور کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔تو جب علمی نظریہ بازی اور ادب کے درمیان یہ بعد المشرقین نظر آتا ہے تو میں ادب کی گواہی پر یقین رکھتا ہوں اس لیے کہ ادب کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

یہ علوم کے پیچھے کے سماجی اور سیاسی عمل کا ایک بہت ہلکا سا خاکہ تھا جو حسب توفیق میں نے پیش کر دیا لیکن اس سے جڑے ہوئے دو مسائل اور ہیں ایک تو یہ کہ ہمارے دانشوروں نے ان علوم کو کس طرح قبول کیا ہے۔دوسرے یہ کہ وہ کیا حدود ہیں جنھیں کسی بھی تہذیب سے تعلق رکھتے ہوئے ہمیں ملحوظ رکھنا چاہیے۔

ہم عموماً یہ کرتے ہیں کہ سماجیات یا انسانیات کے نظریوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے وہ دو جمع دو چار قسم کے حقائق ہوں۔مثلاً ایک دن جو میں نے انتھروپولوجی کے بارے میں اعتراض اٹھایا تو ایک صاحب متوحش ہوتے ہوئے بولے ارے یہ تو علم ہے اسے آپ کس طرح مسترد کر سکتے ہیں۔تو آیئے دیکھیں علم مروجہ معنوں میں کن کن اشیاء کو محیط ہے۔علم مرکب ہوتا ہے۔بنیادی طور پر منقولات اور معقولات سے۔چونکہ ہم جدید تصور علم سے بحث کر رہے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان دونوں، اصطلاحات کو بھی ایک نئے پس منظر میں سمجھتے چلیں۔منقولات کے دائرے میں ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ جو نسلاً بعد نسل ہم تک منتقل ہوتی آئی ہیں، اب وہ معلومات بھی شامل کر لیجیے جو ہم معروضی دنیا سے حاصل کرتے ہیں اور معقولات کے تصور میں ان معلومات سے نتائج کا استخراج کرنے کی صلاحیت کے علاوہ معلومات کو آپس میں ایک نقطۂ نظر کے مطابق ایک ڈھانچہ فراہم کرنے کی مشق کا اضافہ بھی کر دیجیے۔اب علم کی تشکیل کرنے والے یہ عناصر

ہمارے سامنے آئے۔ ا۔ معلومات ۲۔ استخراج کرنے کی قوت ۳۔ وہ نقطۂ نظر جو معلومات کو مربوط کر کے ایک شکل دیتا ہے۔ اب جہاں تک معلومات کا تعلق ہے عموماً اس کی حیثیت غیر شخصی ہوتی ہے لیکن جہاں سے معلومات کی بنیاد پر مقدمات کی تشکیل کی جاتی ہے وہاں سے انسان کی شخصیت کا دخل شروع ہو جاتا ہے جس کے پیچھے اس کا پورا نقطہ نظر ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ علوم کے ڈھانچے کا مسئلہ افراد کی ذات کی سطح سے آگے کا ہے۔ اس مسئلے میں قومی نسلی اور نظریاتی سطح پر علوم کا پورا نظام، سیاسی اور معاشی مفادات گروہی اور نسلی تعصّبات سب شامل ہو جاتے ہیں۔ معقولات اور منقولات کے تناسب کے فرق کے ساتھ ساتھ علوم کی قسمیں اور ان کی حیثیتیں بنتی چلی جاتی ہیں۔ اس ضمن میں آرتھر کوئسلر نے علوم کا ایک گراف بنایا ہے جو اس کتاب Meaning of the creative act میں شامل ہے۔ لیکن اس عزیز نے علم کے سفر کو موضوعی اور معروضی کے درمیان تقسیم کیا ہے۔ پھر بھی اس گراف کو جو غزلیہ شاعری سے شروع ہو کر فزکس اور ریاضی پر اختتام پزیر ہوتا ہے، دیکھ لینا مغرب میں علوم کی تقسیم کے اصول کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔ خیر یہ گفتگو میں نے بیچ میں اس لیے ڈالی ہے تا کہ خلط مبحث پیدا ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

اب یہ سوال اٹھاتا ہوں کہ ہمارے دانشوروں نے عموماً اور اردو کے نقادوں نے خصوصاً ان مغربی علوم سے کس طرح فائدہ اٹھایا ہے۔ پتہ نہیں یہ المیہ مغربی ہے یا ہمارا کہ مستغربین ابتدا سے ہی مغربی علوم سے تقریباً کورے رہے ہیں۔ سب سے پہلے سرسید احمد خاں کی مثال لے لیجیے کہ مغربی علوم کی اس شدومد سے چار کرتے تھے لیکن مغربی علوم تک ان کی پہنچ جتنی تھی ہم آپ پر ظاہر ہے پھر مولانا حالی وغیرہ کا نمبر آتا ہے ان کے پاس بھی مغرب کے بارے میں پرخلوص جذبات کے علاوہ اور کیا ادھرا ہے اور جس نے مغرب کو صحیح معنوں میں سمجھا، اس نے تو ہمیں دو باتیں بتائیں۔ ایک تو یہ کہ:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

اور یہ کہ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی۔ مجھے پتہ ہے کہ میرے اس اعلان کے ساتھ ہی بہت سے لوگوں کے ساتھ یہ ہو رہا ہوگا جسے انگریزی میں ٹریگر دی امیجی نیشن کا عمل کہتے ہیں اور وہ پھر ان تمام مغربی مصنفوں کے حوالے یاد کر رہے ہوں گے جن کا نام تنقید اقبال دہراتی رہی ہے لیکن خیر اگر اقبال کو پھر مغربی فکر کا مبلغ اعظم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تو میں ان کا جواب دے دوں گا اس لیے کہ میری نظر میں تو اقبال کی وہ شخصیت ہے جو پوری مغربی فکری روایت سے آنکھیں ملا کر کہتی ہے:

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

یہ درست ہے کہ یہاں اگر میری گفتگو میں خطابت کا رنگ پیدا ہو گیا ہے لیکن یہ ہے کہ اگر ہم مولوی چراغ علی کی

حمایت بلند آواز سے نہیں کر سکتے تو اقبال کے بارے میں تو غیر محجوب اور غیر معذرت خواہانہ اسلوب میں گفتگو کر لینے دیجیے۔

خیر اب دوبارہ مغربی علوم کی اس گونج کی طرف آیئے جو ہمارے اردگرد موجود ہے۔ بات کو مختصر کرنے کے لیے میں صرف نقادوں کا ذکر کروں گا اور وہ بھی چند لمحوں میں۔ اردو کے نقاد چند مستثنیات کو چھوڑ کر اگر مغرب کو پڑھتے، ان کی معلومات اخذ کرتے اور اپنے علوم کے ساتھ انھیں رکھ کر دیکھتے، مغرب کے نسلی اور سیاسی تعصّبات سے الگ کر کے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو میں سمجھتا کہ واقعی انھوں نے مغرب سے کچھ سیکھا ہے۔ مگر ایک طرف کلیم الدین احمد سے شروع کیجیے، مجنوں گورکھپوری سے ہوتے ہوئے احسن فاروقی کی ناول والی تنقید پر آ جایئے پھر بس نام گنتے جایئے۔ احتشام حسین سے عبادت بریلوی، محمد علی صدیقی تک ممتاز حسین اور جی چاہے تو ڈاکٹر محمد حسن کو بھی شامل کر لیجیے۔ فراق گورکھپوری مشرقی شاعری کا بڑا فہم رکھتے ہیں لیکن میرؔ کے بارے میں فرمایا کہ میرؔ سے دل و دماغ کا شاعر ایشیا تو کیا یورپ میں بھی پیدا نہ ہوا ہوگا۔ اب آپ اس جملہ میں ملاحظہ فرما لیجیے کہ ایشیا تو کیا کے ایک ٹکڑے میں کون سی ذہنیت بول رہی ہے کیا یہ مغرب کی اس تحقیق کا شاخسانہ نہیں ہے کہ جس کا حوالہ میں پہلے دے چکا ہوں جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مشرقیوں کے ذہن، مغربیوں سے چھوٹے ہوتے ہیں پھر ایک اور علماء کی لائن ہے۔ وزیر آغا سے شمس الرحمٰن فاروقی تک..... ان کے اردگرد نوترقی پسندی ہے، افتخار جالبؔ انیس ناگی کی شکل میں۔ اس قطار میں جیلانی کامران کو مستثنیٰ کر دیجیے اس لیے کہ ہزار ہا اختلاف کے باوجود جیلانی کامران کے پاس کہنے کو کچھ ہے۔

میں جو باتیں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ نام گنائے بغیر بھی کر سکتا ہوں لیکن میں نے ان ناموں کا ذکر اس لیے کر دیا ہے تا کہ آپ کے سامنے پورا منظر آ جائے۔ ہاں اہم ترین نام یعنی محمد حسن عسکری کا ذکر کرنا میں بھولا نہیں ہوں بلکہ پچاس صفحے کے ایک تفصیلی مضمون میں میں عسکری صاحب کے بارے اپنی عقیدت مندانہ رائے ظاہر کر چکا ہوں۔ سلیم احمد مغربی علوم کا جھگڑا زیادہ پالتے نہیں اور شاعری کے بارے میں نظریہ بازی کرنے کے بجائے اسے پڑھ کر صحیح معنوں میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خیر تو یہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ان نقادوں کی تحریروں کا تجزیہ نہیں ہے بلکہ ان کے بارے میں میری رائے ہے۔ اب ہم پھر اپنے اصل سوال کی طرف لوٹتے ہیں۔

ان لوگوں نے مغرب سے کیا سیکھا ہے؟

ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنھیں مغربی علوم سے مغرب کے نقطۂ نظر کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ پھر ان میں سے اکثر کے ساتھ ایک عجیب لطیفہ ہے۔ ادھر مغرب میں نفسیات کے انسانیات کے یا کسی اور علم کے کسی دبستان کا غلغلہ بلند ہوتا ہے ادھر یہ اسے بنیاد بنا کر تنقید کا ایک دبستان قائم کر لیتے ہیں پھر ادھر مغرب میں تو کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوتا کہ وہ تھیوری ہی غلط تھی ادھر ان کی تنقید دھری کی دھری رہ جاتی ہے اردو ادب میں شاخ نازک کے ان

آشیانوں کی داستان جتنی مضحکہ خیز ہے اتنی ہی عبرت انگیز بھی ہے۔ یہاں ایک اور بات عرض کرتا چلوں۔ اردو کے نقادوں کے نزدیک مغربی ادب سے مراد انگریزی ادب ہے اس لیے کہ عسکری صاحب کو چھوڑ کر اور کسی کے ہاں آپ کو برطانیہ سے باہر کے حوالے کم ہی نظر آئیں گے گویا بیچاروں کی گرفت یورپ کے ادب پر بھی نہیں ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مغرب کے ادب کا جتنا اچھا مطالعہ میرا جی کا تھا (ثبوت کے لیے مشرق ومغرب کے نغمے دیکھیے) بعد کے لوگوں کو وہ بھی حاصل نہ ہوا۔ سو گنجی نہائے گی کیا اور نچوڑے گی کیا؟

ممکن ہے میری اس تقریر کو بعض لوگ جذباتی سمجھ کر ٹال دیں اور بعض بھنا اٹھیں لیکن آپ یہ نہ بھولیے کہ میں اردو تنقید پر کوئی مقالہ سپرد قلم نہیں کر رہا ہوں بلکہ مغربی علوم سے اپنے حرکی تعلق کا جائزہ لے رہا ہوں۔ اور رہ گئیں جذباتی باتیں تو میں کوئی عالم آدمی تو ہوں نہیں کہ علم کے بل پر گفتگو کروں، لہٰذا لے دے کر میرے پاس جذبے ہیں اگر ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں تو مغربی نظریات کی جگالی کے علاوہ اور میرے پاس رہے گا کیا۔

اس ساری گفتگو سے یہ واضح ہو گیا کہ میں مغرب کو یکسر مسترد کرنے کے حق میں نہیں لیکن مغرب کی طرف جو نظریہ رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم مغرب کے نقطۂ نظر کو سمجھیں ان علوم کا آموختہ سنانے کے بجائے مغرب کے تعصّبات کو منہا کریں اور پھر دیکھیں کہ ان علوم میں کیا کچھ بچ جاتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ رومن رسم الخط میں لکھی ہوئی ہر بات کو حقیقت مطلقہ سمجھنے کے بجائے مفروضے اور علم میں فرق کرنا سیکھیں۔ جب تک یہ نہیں ہوتا ہم پس ماندہ سے ترقی پذیر ہی بنتے رہا کریں گے۔

اب آخر میں دو تین باتوں کی صراحت کر دوں جو مغرب کے اور ہمارے ادب کے تعلق کے سلسلے میں کافی اہم ہیں۔ میں نے عرض کی تھی کہ مغرب میں اٹھارہویں صدی تک وہ تصور جو سارے علوم کو وحدت دیتا تھا، نیچر کا تصور تھا، پھر کلچر کا تصور آیا یعنی نقطۂ نظر کائناتی قانون سے ہٹ کر معاشرتی روایت کی طرف آ گیا اور اب جو دور ہے وہ ایک سہ حرفی مرکب یعنی ازم (ism) کا دور ہے۔ ازم اس وقت وجود میں آتے ہیں جب مجموعی طور پر اصول واحد ساقط ہو جائے اور الگ الگ خود مختار خانے بن جائیں۔ چنانچہ ازموں کی تعداد مغرب میں بڑھتی جا رہی ہے اور وہاں سے آہستہ آہستہ ہمارے ہاں بھی پھیلتی جا رہی ہے، میرا اعتبار نیچر سے، کلچر سے اور ازم سے اٹھ چکا ہے لیکن اس کے باوجود میں محسوس کرتا ہوں کہ حلقۂ ارباب ذوق کے اجلاس میں بحث ومباحثہ کی گرما گرمی کے دوران میں، پرسکون ہو کر مغرب کے نظریاتی بلوے سے بچ کر اقبالؔ کی، شاہ ولی اللہ کی، مجدد الف ثانی کی، جامی اور رومی کی، ابن عربی کی اور سب سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آتا جا رہا ہوں، اللہ مجھے توفیق دے کہ:

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

بت پرستی چھوڑ یے، بت شکن بنیے

صابر علی

''پیٹرک جے ڈینن (Patrick J. Deneen) کی کتاب ''لبرل ازم کیوں ناکام ہوا؟'' 2018ء میں Yale یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب 248 صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے امریکی معاشرت اور سیاست کا مذہبی تناظر سے جائزہ لیتے ہوئے علمائے عیسائیت کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کی ہیں۔ امید ہے ہمارے سیاسی علماء کرام اور جمہوری مذہبی جماعتوں کے کارکنان بھی ان پر غور فرمائیں گے۔''

ڈینن بتاتے ہیں کہ لبرل ازم کا سیاسی فلسفہ وسیع سمندر ہے جس میں ہم اس کی موجودگی سے بے خبر رہتے ہوئے تیرتے آئے اور ہمیں اس کا ادراک نہ ہو سکا۔ لبرل ازم کی علامتیں یا اقدار اظہارِ رائے اور مذہب کی آزادی، انفرادی آزادی، قانون کی مساویت؛ زندگی، آزادی اور خوش حالی کا حق ہیں۔ لبرل ازم روشن خیالی کا ترکہ ہے۔ اس کی وفاداری عقل، سائنسی ترقی، ٹالرینس سے ہے اور یہ ہر مذہب اور روایت کا دشمن ہے۔ فرانسس فوکویاما جب کہتا ہے کہ تاریخ کا اختتام ہوا تو اس کا مطلب یہی ہے کے لبرل ڈیموکریسی جیت گئی اور اب ہم سب لبرل ہیں۔ تاہم مصنف بتاتا ہے کی لبرل ڈیموکریسی نے ہمیں ناکام بنایا ہے۔ اس کی کامیابی ہی اس کی ناکامی ہے۔ اس نے جو مقصد حاصل کرنا تھا وہ کر لیا۔ یہ لبرل ڈیموکریسی کی کامیابی ہی ہے کہ ہم ان حالات کو پہنچ گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مقصد ہماری (یعنی عیسائیت کی) کی تباہی تھا۔ مثلاً لبرل ازم حکومت کی جواب دہی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن ریاست ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہوگئی ہے، اس کا محاسبہ کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ سب کے لیے مساوات کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اصل میں عدم مساوات کو فروغ دیتا ہے۔ یہ تنوع کی بات کرتا ہے لیکن تنوع کے لبادے میں سب کو ایک جیسا بنا دیا ہے۔ یہ سائنس وٹیکنالوجی کے ذریعے ہمیں نیچر کی تحدیدات سے آزاد کرانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن کنزیومر بنا کر جکڑ لیتا ہے۔ لبرل ازم ہمیں بحیثیت فرد تمام اتھارٹیوں سے آزاد کرانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس طرح ہمیں تنہا، خالی اور غیر آزاد کرتا ہے۔ 2016ء کے انتخابات میں ہم نے اس کا مزہ چکھ لیا ہے۔ مستقبل میں اس سے بھی برا ہوگا۔

بشریاتی مسئلہ:

لبرل ازم کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ یہ انسان کو بنیادی طور پر خود مختار کہتا ہے۔ مجھے اپنے باپ کا مذہب چھوڑنے کا

حق ہے۔ ماں کی مرضی کے بغیر شادی کرنے کا اختیار ہے۔ کوئی فرض، ڈیوٹی، ذمہ داری یا تعلق میری تعریف نہیں کر سکتا۔ میں اپنا خیر خود متعین کرنے میں آزاد ہوں۔ مزید یہ کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ میری آزادی کی راہ میں آنے والی رکاوٹیں دور کرے۔ تاہم انفرادی آزادی کا فروغ اصل میں ریاست کا فروغ ہے۔ ریاست لوگوں کی زیادہ سے زیادہ آزادی کے لیے زندگی کے ہر لمحے پر حاوی ہو جاتی ہے۔ ریاست انفرادیت پسندی سے آتی ہے اور انفرادیت پسندی ریاست کی متقاضی ہے۔ کمیونٹی، کلچر، چرچ، خاندان وغیرہ کوئی بھی فرد اور ریاست کے درمیان میں نہیں رہتے۔ ہم آزادی میں اضافے کے لیے مجرد اور غیر شخصی ریاست پر منحصر ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی معاشی پریشانی آتی ہے یا ثقافتی جنگ ہوتی ہے تو ہم کسی دوسرے امیدوار کو ووٹ دینے لگتے ہیں۔ تاہم اصل مسئلہ نظام ہے۔ یہ نظام جن بنیادوں پر کھڑا ہے وہ مکیاولی، تھامس ہابس اور جان لاک نے دی ہیں۔ کنزرویٹو اور پروگریسو دونوں غلط فہمی میں ہیں۔ کنزرویٹو فری مارکیٹ کے ذریعے انفرادی آزادی اور مواقع کی مساویت چاہتے ہیں۔ پروگریسو حکومت کے ذریعے معاشی مساوات اور روایتی اقدار سے آزادی چاہتے ہیں۔ لیفٹ اور رائٹ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ کیا تمہیں حیرت ہوتی ہے کہ ریپبلکن پارٹی اقدار سے انحراف کرتی ہے؟ تمہیں حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ پارٹیاں ایک ہی اصول پر چلتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ مقتدر فرد کی برتری ہو، فرد خواہ کچھ بھی تقاضا کرے۔ بظاہر لگتا ہے کہ لبرل ازم نیوٹرل ہے۔ اصل میں یہ ہمارے ارادوں پر چھا جاتا ہے۔ یہ ہماری سوچ بدل دیتا ہے۔ یہ غیر فرقہ ورانہ بھیڑ کے روپ میں فرقہ پرست بھیڑیا ہے۔ تو لبرل ازم کا متبادل کیا ہو؟ متبادل ہی تو مسئلہ ہے۔ لبرل ازم، فاشزم اور کمیونزم وغیرہ متبادل کی تلاش ہی کے نتائج ہیں۔ ہمیں کسی تھیوری کی ضرورت نہیں، عمل کی ضرورت ہے تھیوری خود بخود بن جائے گی۔ عملی طور پر کرنے کا کام یہ ہے کہ ہمیں کنزیومر بننے سے انکار کر دینا چاہیے۔ مادیت پرستی اور سیکولرازم سے نکل آنا چاہیے۔ اپنے گھروں، چرچ اور گردونواح میں نیا کلچر پیدا کرنا چاہیے تاکہ لوگ ایک دوسرے سے جڑ جائیں۔

مذہبی مسئلہ:

چوں کہ مصنف ایک کٹر رومن کیتھولک ہے اور وہ سیکولر قارئین سے مخاطب ہے اس لیے وہ جانتا ہے کہ اخلاقیات، خدا اور کائنات کے الفاظ سن کر سیکولر اپنے کان بند کر لیں گے اور بات سننا گوارا نہ کریں گے۔ اس لیے وہ کوئی تھیوری نہیں دیتا وہ جانتا ہے کہ انسان نیوٹرل نہیں ہو سکتا۔ اخلاقی یا مذہبی طور پر تو نیوٹرل ہونا ممکن نہیں۔ ہمارا ہر موقف اسی عقیدے پر استوار ہوتا ہے۔ مذہبی، سیکولر، ہندو، مسلمان سب کسی بنیادی موقف پر کھڑے ہوتے ہیں۔ عوامی دائرہ اصل میں نجی دائرے کی لڑائی ہے۔ یوں مصنف لبرل ازم کی سرزمین پر عرف کو ملحوظ رکھنے والا مشنری بن جاتا ہے۔ وہ براہ راست

اپنی اخلاقیات اور تصورِ حیات سے بھی بات شروع کر سکتا تھا لیکن اس حکمت عملی کو بہتر سمجھتا ہے کہ موجودہ نظام اور ان کے خداؤں کا اصل چہرہ دکھایا جائے۔ لہٰذا وہ ترپ کا پتا چھپا کر رکھتا ہے۔ لبرل ازم کا سب سے بڑا دھوکا یہی ہے کہ یہ عدل اور اخلاقیات کا حامل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یوں اس کا مسئلہ بشریاتی نہیں بلکہ مذہبی ہے۔ ہر وہ حکومت جو کسی اتھارٹی کے ماتحت نہ ہو وہ مطلق العنان ہوتی ہے۔ اور لبرل ازم نے یہی کیا۔ ابتدائی لبرل مفکرین نے خدا کے قوانین سے بہتر قوانین دینے کا جھانسہ دیا مثلاً ہیومن رائٹس کے بارے میں کہا گیا کہ فطرت کی طرف سے دیے گئے ہیں اور نا قابل ردّ ہیں کیوں کہ یہ خالق نے دیے ہیں۔ ان لوگوں نے خدا کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ ان کا فلسفہ دین دار اور بے دین سب کے لیے ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی اطاعت کا حکم خدا نے دیا ہے کیوں کہ ملحد سے یہ مطالبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی اطاعت اپنی رضا سے کریں۔ جب لوگوں نے اپنے آپ کو بالاتر اتھارٹی مان لیا تو پھر وہ جس کو ویلیو کریں وہی ان کا خدا ہے اور یہی خدا قوم پر حاکم ہوگا۔ یہ قوم خدا کی نعمتوں کو بتوں میں بدل دیتی ہے۔ کمیونزم نے مساوات کا اور لبرل ازم نے اختیار کی آزادی کا یہی حشر کیا۔ مذہبی لوگ اپنی مرضی سے کچھ آزادیاں لے کر باقی آزادیوں سے انکار نہیں کر سکتے۔ لبرل ازم اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ عیسائیوں کے نزدیک بائبل کے مطابق حکومت کا کام عدل کی فراہمی ہے آزادی کی نہیں۔ آزادی ایک ضمنی چیز ہے جو ہمیشہ عدل کے دائرے میں رہے گی۔ جب ہم آزادی کو برتر قدر مانتے ہیں تو اصل میں ہم اسے خدا بنا لیتے ہیں۔ آزادی تو بس ایک ذریعہ ہے کسی منزل تک جانے کا، بذات خود منزل نہیں۔ اصل مجرم آزادی ہے۔ جب ہر وقت آزادی کی حمد وثنا پڑھی جائے گی تو ہماری زندگی کا ہر لمحہ اس کی قید میں آ جائے گا۔ ہم عادلانہ اور غیر عادلانہ آزادی میں فرق کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ ہم اسقاط حمل کروانے والی عورت کو روک نہیں سکتے۔ اخلاقی زبان ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ بطور عیسائی جب ہم یہ کہتے ہیں کے ظالم شوہر کے ہاتھ روکنے کے لیے ریاست مداخلت کرے تو ہم اس لیے نہیں کہتے کہ یہ فرد کا حق ہے بلکہ اس لیے کہ خدا نے ہمیں ظلم کرنے سے منع کیا ہے۔ لبرل ازم فرد کے وقار کا پھول کھلتا دیکھنا چاہتا ہے لیکن اس کی جڑیں کاٹ دیتا ہے (یعنی فرد کو خدا کی مخلوق نہیں مانتا)۔ یہ سماج میں سے مذہب کو نکال دیتا ہے۔ یوں سب پھول مرجھا جاتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے کہ عیسائیت کا سماجی تنزل دو چار عشروں کی کہانی نہیں، اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ یہ کام صدیوں پہلے شروع کیا گیا تھا۔

(.....☆.....☆.....☆.....)

سیاسی یتیم خانہ.....دنیا کے سیاسی یتیمو! متحد ہو جاؤ!

مجید لاہوری

مجید لاہوری، شعروادب، صحافت اور کالم نگاری کی تاریخ میں ایک معروف نام ہے۔ مرحوم نے کراچی سے اپنا ہفتہ وار پرچہ ''نمکدان'' بھی نکالا۔ مزاحیہ ادب، مثبت اور تعمیری تنقید میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کا اپنا اسلوب ہے جو عوامی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عوام میں بے پناہ مقبول ہوئے۔ ذیل میں اکسٹھ برس قبل ان کا لکھا ہوا ایک کالم قارئین کی نذر ہے جو ۱۹ر اپریل ۱۹۵۷ء کو شائع ہوا مگر آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے۔ (ادارہ)

☆.....☆.....☆.....☆

یہ تجویز رمضانی کی ہے۔ مجھے صرف اس کی پیش کش کا شرف حاصل ہے۔ تجویز یہ ہے کہ ایک بہت بڑا ''سیاسی یتیم خانہ'' بنایا جائے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ..... ''سیاسی یتیم خانہ'' کیوں بنایا جائے تو جواباً گزارش یہ ہے کہ نو دس برس کی مدت میں ہمارے ہاں کتنے جوڑ توڑ، کتنی اکھاڑ پچھاڑ اور کتنی کرسیاں ٹوٹی ہیں، کتنی کرسیوں کی لڑائیاں ہوئی ہیں اور کتنی نئی مظبوط کرسیاں تیار ہوئی ہیں۔ ان تمام سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے سینکڑوں ''سیاسی یتیم'' در بدر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ان میں ایسے یتیم بھی ہیں جو مرکزی وزیر رہے۔ ایسے یتیم بھی ہیں جو وزیرِ اعظم رہے۔ ایسے یتیم بھی ہیں جو گورنر رہے۔ ایسے بھی ہیں جو صوبوں کے وزیرِ اعلیٰ رہے۔ ایسے بھی ہیں جو صوبوں کے وزیر رہے۔ نائب وزیر رہے۔ مشیر رہے۔ اسمبلیوں کے ممبر رہے۔ میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے صدر رہے۔ ممبر رہے۔ ایسے بھی ہیں جو سفیر رہے۔ غرضیکہ اگر ''سیاسی یتیم شُماری'' ملک میں ہو تو ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ سکتی ہے۔ ہر قدم پر ایک سابق وزیر ملتا ہے، سابق سفیر ملتا ہے، سابق گورنر ملتا ہے۔ اگر دس لونڈوں کو جمع کر کے لوگ یتیم خانہ بناتے ہیں تو پھر اتنی بڑی کھیپ سیاسی یتیموں کی جہاں موجود ہو وہاں ''سیاسی یتیم خانہ'' بنایا جائے۔

سچ پوچھیے تو یہ سارے جھگڑے انھی سیاسی یتیموں کے کھڑے کیے ہوئے ہیں۔ یہ ساری خرابی ان سیاسی یتیموں کے ''فری اسٹائل دنگل'' کی لائی ہوئی ہے۔ اگر ''سیاسی یتیم خانہ'' بن جائے تو یہ لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ملک میں انتشار نہ پھیلائیں۔ یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہوگا۔ حکومت کو خود ایسا یتیم خانہ بنانا چاہیے۔ کیونکہ ہم نے یہی دیکھا ہے کہ جو کرسیوں پر بیٹھتے ہیں وہ کرسیاں چھن جانے کے بعد ''سیاسی یتیم'' ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ بے کرسی والے یعنی سیاسی

یتیم پھر کرسی پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے یتیم خانے کا فائدہ آج نہیں تو کل اہلِ حکومت کو پہنچے گا۔ کیونکہ ہمیشہ ایک سا وقت تو نہیں رہتا۔ کرسی نے کب کسی سے وفا کی ہے اور ہمارے ملک میں تو اس کا مزاج معشوق کے مزاج سے بھی نازک ہے۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔

یہ سوال تو حل ہو گیا کہ ''سیاسی یتیم خانہ'' کیوں بنایا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ سیاسی یتیم خانے میں کیا ہو؟ پہلے تو سیاسی یتیموں کو ایک جیسی وردیاں، ایک جیسے بوٹ اور ایک جیسی ٹوپیاں دی جائیں تا کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ یہ ''سیاسی یتیم'' ہیں۔ صبح یہ لوگ ایک گھنٹہ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کر کے دیوار کے سہارے کھڑے رہیں۔ ان سے ان کا دماغ سیاست میں خوب چلے گا۔ پھر نہا دھو کر یہ ناشتہ کریں اور اخبار پڑھیں۔ اخبار پڑھنے کے بعد یہ خوب بحث کریں۔ بحث کرنے کے بعد بیان دیں۔ پھر ان کو یہ بھی سکھایا جائے کہ ایک بات کہہ کر اس کی کس طرح تردید کرنی چاہیے۔ پھر ان کو یہ بھی سکھایا جائے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کس طرح لڑھک کر جانا چاہیے۔ ''یہ عملی سبق'' ہوگا جس میں ''بے پیندے کے لوٹے'' اور ''بے تھالی کے بینگن'' استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ بینگن اس لیے زیادہ مفید ہیں کہ بعد میں ان کی ترکاری بھی بن سکتی ہے۔ سب سے بڑا درس ان کو اس کا دینا چاہیے کہ ''اعتراض برائے اعتراض'' اور ''اختلاف برائے اختلاف'' کس طرح کیا جاتا ہے، اس کے لیے تو بعض ''سیاسی یتیموں'' کو ٹریننگ کے لیے لندن بھیجا جائے۔ اس سے پہلے کرسی چھننے کے بعد ایسے ''سیاسی یتیم'' لندن جاتے رہے مگر ذاتی طور پر، کسی ادارے کے نظام کے تحت نہیں۔ جس رفتار سے ہمارے ہاں ''سیاسی یتیموں'' کی تعداد بڑھ رہی ہے اس کے پیشِ نظر یہ یتیم خانہ بہت ترقی کرے گا۔ یہاں سے ''سیاسی یتیم'' بھی حکومت بنائیں گے۔ پھر کرسیاں چھن جائیں گی تو وہ ''سیاسی یتیم'' کی حیثیت سے یتیم خانے میں آ جائیں گے اور ان کی جگہ دوسرے ''سیاسی یتیم'' لیں گے۔ اب تک رمضانی نے لیڈروں کے بیان پڑھے ہیں۔ اُمید ہے کہ اب رمضانی کا یہ بیان لیڈر اور خصوصاً ''سیاسی یتیم'' ضرور پڑھیں گے اور ''دنیا کے سیاسی یتیمو متحد ہو جاؤ'' کا نعرہ لگا کر میدانِ عمل میں کود پڑیں گے۔

not found.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ۔مترجم: مولانا محمد احسان الحق

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (ﷺ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے کیا تھے؟ آپ نے فرمایا اُن صحیفوں میں صرف مثالیں اور نصیحتیں تھیں، (مثلاً اُن میں یہ مضمون بھی تھا) اے مسلط ہونے والے بادشاہ! جسے آزمائش میں ڈالا جاچکا ہے اور جو دھوکا میں پڑا ہوا ہے، میں نے تجھے اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تو جمع کر کے دنیا کے ڈھیر لگالے۔ میں نے تو تجھے اس لیے بھیجا تھا کہ کسی مظلوم کی بددعا کو میرے پاس آنے نہ دے کیونکہ جب کسی مظلوم کی بددعا میرے پاس پہنچ جاتی ہے تو پھر میں اسے ردنہیں کرنا چاہتا، وہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو اور جب تک عقل مند آدمی کی عقل مغلوب نہ ہو جائے اس وقت تک اُسے چاہیے کہ وہ اپنے اوقات کی تقسیم کرے۔ کچھ وقت اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے ہونا چاہیے، کچھ وقت اپنے نفس کے محاسبے کے لیے ہونا چاہیے، کچھ وقت اللہ تعالیٰ کی کاری گری اور اس کی مخلوقات میں غور وفکر کرنے کے لیے ہونا چاہیے اور کچھ وقت کھانے پینے کی ضروریات کے لیے فارغ ہونا چاہیے۔ اور عقل مند کو چاہیے کہ صرف تین کاموں کے لیے سفر کرے یا تو آخرت کا توشہ بنانے کے لیے یا اپنی معاش ٹھیک کرنے کے لیے یا کسی حلال لذت اور راحت کو حاصل کرنے کے لیے اور عقل مند کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانہ (کے حالات) پر نگاہ رکھے اور اپنی حالت کی طرف متوجہ رہے اور اپنی زبان کی حفاظت کرے اور جو بھی اپنی گفتگو کا اپنے عمل سے محاسبہ کرے گا وہ کوئی بے کار بات نہیں کرے گا بلکہ صرف مقصد کی بات کرے گا۔

میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (ﷺ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے کیا تھے؟ آپ نے فرمایا ان میں سب عبرت کی باتیں تھیں (مثلاً اُن میں یہ مضمون بھی تھا کہ) مجھے اس آدمی پر تعجب ہے جسے موت کا یقین ہے اور پھر وہ خوش ہوتا ہے۔ مجھے اس آدمی پر تعجب ہے جسے جہنم کا یقین ہے اور پھر وہ ہنستا ہے۔ مجھے اس آدمی پر تعجب ہے جسے تقدیر کا یقین ہے اور پھر وہ اپنے آپ کو بلاضرورت تھکاتا ہے۔ مجھے اس آدمی پر تعجب ہے جس نے دنیا کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ دنیا آنی جانی چیز ہے، ایک جگہ رہتی نہیں اور پھر مطمئن ہو کر اس سے دل لگاتا ہے۔ مجھے اس آدمی پر تعجب ہے جسے کل قیامت کے حساب کتاب کا یقین ہے اور پھر عمل نہیں کرتا۔

میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (ﷺ) آپ مجھے کچھ وصیت فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمام کاموں کی جڑ ہے''۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (ﷺ) کچھ

اور فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تلاوت قرآن اور اللہ کے ذکر کی پابندی کرو کیونکہ یہ زمین پر تمہارے لیے نور ہے اور آسمان میں تمہارے لیے ذخیرہ ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اور فرمادیں آپ نے فرمایا زیادہ ہنسنے سے بچو! کیونکہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرے کا نور جاتا رہتا ہے''۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) کچھ اور فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہاد کو لازم پکڑلو کیونکہ یہی میری اُمّت کی رہبانیت ہے''۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) کچھ اور فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زیادہ دیر خاموش رہا کرو کیونکہ اس سے شیطان دفع ہو جاتا ہے اور اس سے تمھیں دین کے کاموں میں مدد ملے گی''۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) مجھے کچھ اور فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسکینوں سے محبت رکھو اور اُن کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھو''۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) کچھ اور فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (دنیاوی مال و دولت اور ساز و سامان میں) ''ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھا کرو اوپر والے کو مت دیکھا کرو، کیونکہ اس طرح کرنے سے تم اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو حقیر نہیں سمجھو گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) کچھ اور فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حق بات کہو چاہے وہ کڑوی کیوں نہ ہو''۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) کچھ اور فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمھیں اپنے عیب معلوم ہیں تو دوسروں (کے عیب دیکھنے) سے رک جاؤ اور جو برے کام تم خود کرتے ہو اُن کی وجہ سے دوسروں پر ناراض مت ہو۔ تمھیں عیب لگانے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ تم اپنے عیبوں کو تو جانتے نہیں اور دوسروں میں عیب تلاش کر رہے ہو اور جن حرکتوں کو خود کرتے ہو اُن کی وجہ سے دوسروں پر ناراض ہوتے ہو''۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابوذر! حسنِ تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں اور ناجائز، مشتبہ اور نامناسب کاموں سے رکنے کے برابر کوئی تقویٰ نہیں اور حُسنِ اخلاق جیسی کوئی خاندانی شرافت نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے پوچھا تمھاری اور تمھارے اہل وعیال، مال اور عمل کی کیا مثل ہے؟ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھاری اور تمھارے اہل وعیال، مال اور عمل کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس کے تین بھائی ہوں۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے بھائیوں کو بلا کر ایک بھائی سے کہا تم دیکھ رہے ہو میرے مرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اب تم میرے کیا کام آ سکتے ہو؟ اس نے کہا میں تمھارے یہ کام کر سکتا ہوں کہ میں تمھاری تیمارداری کروں اور تمھاری خدمت سے اکتاؤں گا نہیں اور تمھارا ہر کام کروں گا۔ جب تم مر جاؤ گے تمھیں غسل دوں گا اور تمھیں کفن پہناؤں گا اور دوسروں کے ساتھ تمھارے جنازے کو اٹھاؤں گا، کبھی تمھیں اٹھاؤں گا اور کبھی راستہ کی تکلیف دہ چیز تم سے ہٹاؤں گا اور جب دفنا کر واپس آؤں گا تو پوچھنے والوں کے سامنے تمھاری خوبیاں بیان کر کے تمھاری

تعریف کروں گا۔اس کا یہ بھائی تو اس کے اہل وعیال اور رشتہ دار ہیں۔اس بھائی کے بارے میں تم لوگوں کا خیال ہے؟ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا یارسول اللہ! (ﷺ) اس کے کوئی خاص فائدے کی بات تو ہم نے سنی نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اس نے اپنے دوسرے بھائی سے کہا کیا تم دیکھ رہے ہو کہ موت کی مصیبت میرے سر پر آ گئی ہے تو اب تم میرے کیا کام آ سکتے ہو؟ اس نے کہا جب تک آپ زندہ ہیں میں تو اسی وقت تک آپ کے کام آ سکوں گا، جب آپ مر جائیں گے تو آپ کا راستہ الگ اور میرا راستہ الگ۔یہ بھائی اس کا مال ہے۔یہ تمھیں کیسا لگا؟ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے کہا یارسول اللہ! (ﷺ) اس کے فائدے کی کوئی بات ہمارے سننے میں تو نہیں آئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اس نے تیسرے بھائی سے کہا تم دیکھ رہے ہو موت میرے سر پر آ گئی ہے اور تم نے میرے اہل وعیال اور مال کا جواب بھی سن لیا ہے تو اب تم میرے کیا کام آ سکتے ہو؟ اس نے کہا میں قبر میں تمھارا ساتھی ہوں گا اور وحشت میں تمھارا جی بہلاؤں گا اور اعمال تُلنے کے دن ترازو میں بیٹھ کر اسے بھاری کر دوں گا۔یہ بھائی اس کا عمل ہے۔اس کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بہترین بھائی اور بہترین ساتھی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بات بھی اسی طرح ہے''۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ میں اس مثال کے بارے میں کچھ اشعار کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اجازت ہے''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چلے گئے اور ایک ہی رات کے بعد اشعار تیار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔انھیں دیکھ کر لوگ بھی جمع ہو گئے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے:

فانی و اھلی والذی قدمت یدی کداع اللّٰہ صحبہ ثم قائل

لاخوتہ اذ ھم ثلاثۃ اخوۃ اعینوا علی امر بی الیوم نازل

ترجمہ: میں اور میرے اہل وعیال اور میرے وہ عمل جو میرے ہاتھوں نے آگے بھیج دیے ہیں، ان سب کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آدمی کے تین بھائی تھے، اس نے ساتھیوں اور بھائیوں کو بلا کر ان سے کہا آج مجھ پر موت کی مصیبت آنے والی ہے اس بارے میں میری مدد کرو۔

فراق طویل غیر متشق بہ فما ذا لدیکم فی الذی ھو غائل

ترجمہ: بہت لمبی جدائی ہے جس کا کوئی بھروسہ نہیں، اب بتاؤ اس ہلاک کرنے والی موت کے بارے میں تم لوگ میری کیا مدد کر سکتے ہو؟

فقال امرؤ منهم انا الصاحب الذی اطیعک فیها شئت قل التزایل

ترجمہ: ان تینوں میں سے ایک بولا کہ میں تمھارا ساتھی ہوں لیکن جدا ہونے سے پہلے تم جو کہو گے تمھاری وہ بات مانوں گا۔

فاما اذا جد الفراق فانني لما بيننا من خلة غير واصل

ترجمہ: اور جب جدائی ہو جائے گی تو پھر میں آپ کی دوستی کو باقی نہیں رکھ سکتا، اسے نہیں نباہ سکتا۔

فخذ ما اردت الان منی فانني سيسلک بی فی مهيل من مهائل

ترجمہ: اب تو تم مجھ سے جو چاہو لے لو لیکن جدائی کے بعد مجھے کسی ہولناک راستہ پر چلا دیا جائے گا پھر کچھ نہیں لے سکو گے۔

فان تبقنی لا تبق فاستنفدنني و عجل صلاحا قبل حتف معاجل

ترجمہ: پھر اگر تم مجھے باقی رکھنا چاہو گے تو باقی نہیں رکھ سکو گے لہٰذا مجھے خرچ کر کے ختم کر دو اور جلد آنے والی موت سے پہلے جلدی اپنے عمل ٹھیک کر لو۔

و قال امرؤ قد کنت جدا احبه واؤثره من بينهم فی التفاضل

ترجمہ: پھر وہ آدمی بولا جس سے مجھے بہت محبت تھی اور زیادہ دینے اور بڑھانے میں، میں اسے باقی تمام لوگوں پر ترجیح دیتا تھا۔

غنائی انی جاهد لک ناصح اذا جد جد الکرب غير مقاتل

ترجمہ: اس نے کہا میں آپ کا اتنا کام کر سکتا ہوں کہ جب پریشان کن موت واقعی آ جائے گی تو آپ کو بچانے کی کوشش کروں گا، آپ کا بھلا چاہوں گا لیکن میں آپ کی طرف سے لڑ نہیں سکوں گا۔

و لکننی باک علیک و معول و مشن بخير عند من هو سائل

ترجمہ: البتہ آپ کے مرنے پر روؤں گا اور خوب اونچی آواز سے روؤں گا اور آپ کے بارے میں جو بھی پوچھے گا، میں اس کے سامنے آپ کی خوبیاں بیان کر کے آپ کی تعریف کروں گا۔

و متبع الماشين امشی مشيا اعين برفق عقبة کل حامل

ترجمہ: اور آپ کے جنازے کو لے کر جو لوگ چلیں گے میں بھی رخصت کرنے کے لیے ان کے پیچھے چلوں گا اور ہر اٹھانے والے کی باری میں نرمی سے اٹھا کر اس کی مدد کروں گا۔

الی بيت مثواک الذی انت مدخل ارجع مقرونا بما هو شاغل

ترجمہ: میں جنازے کے ساتھ اس گھر تک جاؤں گا جہاں آپ کا ٹھکانہ ہے جس میں لوگ آپ کو داخل کر دیں گے پھر واپس آ کر میں ان کاموں میں لگ جاؤں گا جن میں مَیں مشغول تھا۔

کان لم یکن بینی و بینک خلة و لا حسن و دمرة فی التباذل

ترجمہ: اور چند ہی دنوں کے بعد ایسی حالت ہو جائے گی کہ گویا میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوستی ہی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی عمدہ محبت تھی جس کی وجہ سے ہم ایک دوسرے پر خرچ کرتے تھے۔

فذلک اھل المرء ذاک غناء ھم و لیس و ان کانوا حراصا بطائل

ترجمہ: یہ مرنے والے کے اہل وعیال اور رشتہ دار ہیں یہ بس اتنا ہی کام آسکتے ہیں، اگر چہ انھیں مرنے والے کو فائدہ پہنچانے کا بہت تقاضا ہے لیکن یہ اس سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

و قال امرء منھم انا الاخ لا تری اخا لک مثلی عند کرب الزلازل

ترجمہ: ان میں سے تیسرے بھائی نے کہا میں آپ کا اصلی بھائی ہوں اور ہلا دینے والی پریشانی موت کے آنے پر آپ کو میرے جیسا کوئی بھائی نظر نہیں آئے گا۔

لدی القبر تلقانی ھنا لک قاعدا اجادل عنک القول رجع التجادل

ترجمہ: آپ مجھے قبر کے پاس ملیں گے میں وہاں بیٹھا ہوا ہوں گا اور باتوں میں آپ کی طرف سے جھگڑا کروں گا اور ہر سوال کا جواب دوں گا۔

واقعد یوم الوزن فی الکفۃ التی تکون علیھا جاھدا فی التثاقل

ترجمہ: اور اعمال تولے جانے کے دن یعنی قیامت کے دن میں اس پلڑے میں بیٹھوں گا جس کو بھاری کرنے کی آپ پوری کوشش کر رہے ہوں گے۔

فلا تنسنی واعلم مکانی فاننی علیک شفیق ناصح غیر خاذل

ترجمہ: لہٰذا آپ مجھے بھلا نہ دینا اور میرے مرتبہ کو جان لو کیونکہ میں آپ کا بڑا شفیق اور بہت خیر خواہ ہوں اور کبھی آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑوں گا۔

فذلک ما قدمت من کل صالح تلاقیہ ان احسنت یوم التواصل

ترجمہ: یہ آپ کے وہ نیک اعمال ہیں جو آپ نے آگے بھیجے ہیں، اگر آپ ان کو اچھی طرح کریں گے تو ایک دوسرے سے ملاقات کے دن یعنی قیامت کے دن آپ کی ان اعمال سے ملاقات ہو جائے گی۔

یہ اشعار سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونے لگے اور سارے مسلمان بھی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن کرز مسلمانوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے، وہ انھیں بلا کر ان سے ان اشعار کی فرمائش کرتے اور جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انھیں یہ اشعار سناتے تو وہ سب رونے لگ جاتے۔ (ماخوذ: حیاۃ الصحابہ، اردو، جلد سوم)

☆......☆......☆

غزوۂ اُحد*

حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ

(تحقیق: ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی، ترجمہ: مولانا محمد سعید الرحمٰن علویؒ)

سیرت ومغازیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیلات کو محفوظ کرنے اور انھیں ضبطِ تحریر میں لانے کا سلسلہ پہلی صدی ھجری یعنی عہدِ صحابہ کرامؓ ہی میں شروع گیا تھا۔ اس سلسلے کی موجود کتب میں حضرت عُروہؒ بن زبیرؓ کی کتاب ''مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ حضرت عُروہؒ بن زبیرؓ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم، محدث اور فقیہ تھے۔ انھوں نے مدینہ منورہ میں بہت سے جلیل القدر صحابہؓ اور تابعینؒ سے علم کی تحصیل کی۔ امام ابن کثیر کے بقول، وہ فقیہ، عالم، حافظِ حدیث اور مغازیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ثقہ اور مستند عالم تھے۔ آپؒ پہلے شخص تھے جنھوں نے سیرت ومغازی سے متعلق کتاب لکھی۔ اُن کا شمار چند سرکردہ فقہاء میں ہوتا تھا اور صحابہؓ اُن سے دینی مسائل پوچھتے تھے۔ ذیل میں جو مضمون شائع کیا جارہا ہے وہ ''مغازیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از حضرت عُروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ'' سے ماخوذ ہے، اس کتاب کو ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے مرتب کیا اور مقدمہ وحواشی تحریر کیے۔ اردو ترجمہ مولانا سعید الرحمٰن علوی رحمہ اللہ نے کیا۔ (ادارہ)

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا اور فرمایا: کہ میری تلوار (ذوالفقار) (ابوجہل کی تلوار جو بدر میں غنیمت کے طور پر ملی اور رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہی) اپنی نیام سمیت ٹوٹ گئی ہے اور یہ کہ میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے۔ اس سے آگے حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد کے موقعے پر مدینہ میں ہی قیام کر کے مقابلہ کرنے کے حق میں تھے۔ لیکن بہت سے حضرات باہر جا کر مقابلہ چاہتے تھے۔ اگر لوگ حضور اکرم کے ارشاد وحکم کے مطابق رہتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا لیکن ان پر تقدیر غالب آچکی تھی۔ باہر جا کر مقابلے کے سلسلے میں سب سے زیادہ ان کی خواہش تھی جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور اہلِ بدر کے سلسلے میں جو فضیلت ان کے کان میں پڑی، اُس نے اُس شوق کو بڑھا دیا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھائی، خطبے میں لوگوں کو نصیحت سے نوازا، اُنھیں جہد وسعی کی تلقین کی۔ خطبہ ونماز سے فراغت پر جنگی لباس پہن کر لوگوں کو چلنے کا حکم دیا۔ اس کیفیت کو اصحاب رائے حضرات نے دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ نے ہمیں مدینہ میں ہی رکنے کا فرمایا تھا۔ اگر یہاں دشمن حملہ آور ہو تو اس کا یہیں رہ کر مقابلہ ہو۔ رسولِ محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے منشا کو زیادہ بہتر جاننے والے ہیں۔ آپ کے پاس آسمان سے وحی بھی آتی ہے، ہم نے آپ

☆ حاشیہ!

کواس طرح باہر جانے پر توجہ دلائی۔اس لیے انھوں نے عرض کیا کہ آپ کے حکم کے مطابق مدینے میں قیام نہ کرلیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ جب جنگی لباس پہن لے اور لوگوں کو دشمن کی طرف نکلنے کا حکم دے دے تو وہ قتال کیے بغیر لوٹے۔ میں نے تمھیں ایک بات کہی، تم نے نکلنے ہی کا تقاضہ کیا۔اب تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ دشمن سے تمھاری ملاقات ہو اور آمنا سامنا ہو تو تقویٰ اور صبر سے کام لینا اور یاد رکھو کہ جس بات کا تمھیں حکم دوں اس پر عمل کرو۔ یہ فرما کر آپ مسلمانوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ کی واپسی:

حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے حتیٰ کہ آپ اُحد پہنچ گئے تو عبداللہ بن اُبیّ تین سو آدمیوں سمیت واپس آ گیا، اب آپ کے ساتھ سات سو حضرات باقی رہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی کمال درجہ استقامت:

حضرت عروہ بن زبیر سلام اللہ تعالیٰ علیہما ورضوانہ فرماتے ہیں کہ اس دن حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی کمال درجے استقامت اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کیا۔ مالک بن زہیر نے رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر اندازی کی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ علیہ ورضوانہٗ نے اپنے ہاتھ کو رسولِ محترم علیہ السلام کے لیے ڈھال بنالیتا۔ تیر آپ کی چھنگلی کو لگا جس سے وہ شل ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُبیّ بن خلف کو قتل کرنا:

حضرت عروہ بن زبیر سلام اللہ تعالیٰ علیہما ورضوانہ فرماتے ہیں، ابی بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور قتل کرے گا۔اس کے حلف کا رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ نے چاہا تو میں اسے قتل کروں گا''۔ وہ سب کے سامنے لوہے میں غرق آیا اور کہنے لگا کہ: ''اگر آج محمد بچ گئے تو میری خیر نہیں''۔

وہ مسلسل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو کر قتل کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا۔حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بنو عبدالدار کے عزیز) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنے ہوئے تھے۔ان سے اس کا سامنا ہوا، وہ شہید ہوئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبیّ بن خلف کی زرہ اور فولادی ٹوپی کے مضبوط لوہے کے لباس میں ٹھوڑی کے نیچے کی ہڈی ننگی دیکھی تو اپنے چھوٹے نیزے کو وہاں تاک کر مارا، باوجود یکہ کسی قسم کا خون نہ نکلا تھا لیکن وہ اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا، اپنے رفقا کے پاس لڑھکتا ہوا آیا۔انھوں نے اسے سہارا دیا۔اس وقت حالت یہ تھی کہ بیل کی طرح آوازیں نکال رہا تھا۔انھوں نے اس سے پوچھا کہ آخر تو اس قدر جزع فزع کیوں کر رہا ہے، یہ تو برائے نام خراش ہے۔

اس نے انھیں بتلایا کہ محمد (ﷺ) نے مجھے قتل کرنے کا کہا تھا۔ اس کے بعد کہا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرے ساتھ ذوالمجاز کے سبھی لوگ ہوتے تو وہ بھی مرجاتے (گویا اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر اتنا یقین تھا لیکن وائے محرومی کہ اسلام قبول نہ کیا) پس وہ اسی حالت میں مرگیا۔ (ہلاکت و بربادی ہے دوزخیوں کے لیے)

سیدالشہداء (اسداللہ واسدرسولہ) حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رونا:

موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم حدود مدینہ میں داخل ہوئے تو ہر گھر میں نوحہ و بکا کی آوازیں آرہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ انصار کی عورتیں ہیں جو اپنے شہداء پر رورہی ہیں۔ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا: ''میرے چچا حمزہ، تو ان پر کوئی رونے والا نہیں''۔ ساتھ ہی اُن کے لیے دعاءِ مغفرت فرمائی۔ یہ دردناک صدا حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) نے سنی تو اپنے گھروں میں گئے اور تمام رونے والیاں جو مدینے میں تھیں اُنھیں جمع کر کے کہا: ''واللہ! انصار کے شہدا کو اس وقت تک مت روؤ جب تک رسولِ محترم کے چچا پر نہ رولو، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ اُن کے چچا پر مدینے میں کوئی رونے والی نہیں''۔ خیال یہ ہے کہ رونے والی عورتیں حضرت عبداللہ بن رواحہ لے کر آئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ کو بتلایا گیا کہ انصار نے اپنی خواتین کو یہ نصیحت کی ہے۔ آپ نے ان سب کے لیے دعاءِ مغفرت فرمائی اور ان کے حق میں کلماتِ خیر فرمائے اور ارشاد فرمایا:

''میرا مقصد یہ نہ تھا اور نہ ہی مجھے رونا پسند ہے۔ اس کے بعد اس سے مستقلاً منع کر دیا''۔

حضرت عروہ بن زبیر سے بھی بالکل اسی طرح کی روایت ہے۔

اُحد کے بعض شہداء کے اسماءِ گرامی: [۲]

حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُحد کے شہداء میں سے ایسے حضرات کا ذکر کیا ہے جو بدر میں بھی شریک تھے۔ ان کا ذکر یہاں ہوگا۔

۱۔ اوس بن المنذر الانصاری النجاری

۲۔ ایاس بن اوس الانصاری (بنومعاویہ بن عمرو)

۳۔ ثعلبہ بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ الانصاری (بنوسعادہ)

۴۔ سیّدالشہداء، اسداللہ واسدرسولہ، حمزہ بن عبدالمطلب الہاشمی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، رضاعی بھائی، اُنھیں وحشی بن حرب نے شہید کیا (وہ بعد میں مسلمان ہوکر شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے اور مُسیلمہ کذاب کو قتل کر

کے گویا اس کا ازالہ کیا)۔

۵۔ الحارث بن اوس بن رافع الانصاری (بنوعمرو بن عوف)

۶۔ ذکوان بن عبدقیس الانصاری (بنوزریق)

۷۔ رفاعہ بن اوس بن زعورا بن عبدالاشہل الانصاری

۸۔ ربیعہ بن الفضل بن حبیب بن یزید بن تمیم الانصاری (بنومعاویہ بن عوف)

۹۔ ربیعہ بن اکثم القرشی۔ حلیف بنواسد بن عبدشمس (بنواسد)

۱۰۔ سعد بن الربیع الانصاری

۱۱۔ سلیط بن ثابت بن وقش الانصاری (بنوالنبیت)

۱۲۔ عبداللہ بن جحش الاموی (بنوعبدشمس)

۱۳۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ الانصاری (بنوسلمہ)

۱۴۔ طبرانی کے بقول، حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار بن قصی۔ یہ مہاجرین اوّلین سے تعلق رکھنے والے صحابی ہیں۔ (بدر و اُحد میں اللہ تعالیٰ کے نبی نے اُنھیں مسلمانوں کا جھنڈا تھمایا۔ یہ جھنڈا حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ کی اوڑھنی کا تھا...... گویا اُنھیں رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ''علم دار'' ہونے کا شرف حاصل ہے۔

☆......☆......☆

۱ تفصیل: ابن ہشام، ج:۳،ص: ۶۰ ۷۔ ابن حزم، ص: ۱۵۶۔ الواقدی: ۱۹۹۔۲۰۰۔ ابن سید الناس، ج: ۲،ص: ۲۔ البخاری، باب المغازی۔ مسلم، باب الجہاد۔ الطبری، ج: ۲،ص ۴۹۹ء۔ ابن اسحاق کے بقول اس کی تاریخ شوال ۳ھ ہے۔ (ج:،ص: ۶۰) حافظ ابن حجر عسقلانی کے بقول بدر کے بعد قریش نے اس ہزیمت کے بدلے کے لیے عرب بھر سے حتی الامکان لشکر فراہم کر کے سردارِ قریش ابوسفیان کی قیادت میں چڑھائی کا اہتمام کیا۔ فتح الباری، ج: ۷،ص: ۶۷۔۳۷۷)

۲ تفصیل: ابن ہشام، ج: ۳،ص: ۲۲۔۱۲۷۔ الواقدی، ص: ۳۰۰، ۳۰۷۔ ابن سید الناس، ص: ۶۱ تا ۱۶۵۔

بشارات وفضائل کی دو قسمیں اور حدیث مغفور

ابوطلحہ عثمان ایم اے

مغفرت کا مادہ ''غ، ف، ر'' ہے۔ جس کا معنی ہے بخشش، بچاؤ اور عدم جواب طلبی ہے۔ اسی لفظ سے اللہ کے کئی صفاتی نام غفور، غفّار، غافر الذنب بنے ہیں، مِغْفر ڈھال کو کہتے ہیں جو جنگ میں استعمال کی جاتی تھی تا کہ تلوار کے وار سے محفوظ رہا جا سکے۔ ارشادِ نبوی ہے: '' مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ .....'' اسی طرح کئی دوسری احادیثِ رسول جن میں اعمال کی فضیلت کا ذکر ہے مثلاً ''جو کوئی اچھی طرح وضو کرے پھر کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھ لے اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں''۔ ''حج کی نیت سے وقوف عرفہ کرنے والے کے لیے بشارت ہے کہ اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں..... گویا اس کی ماں نے آج ہی اُسے جنم دیا ہے''۔ مسلم شریف میں ہے ''جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے اس کے لیے جنت ہے''۔ بخاری شریف میں ہے ''حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں''۔ بیسیوں دیگر احادیث میں ایسی بشارتیں موجود ہیں..... ان بشارات کا تعلق مخصوص اعمال کے ساتھ ہے، افراد کو نامزد نہیں کیا گیا۔

دوسری طرف ایسی بشارات ہیں جن کا تعلق افراد یا مخصوص جماعت کے ساتھ ہے مثلاً ایک غلام نے آ کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! (ﷺ) حاطب ضرور جہنم میں داخل ہوگا'' ارشاد فرمایا: ''تو نے جھوٹ کہا، وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوا ہے''۔ (مسلم: ۲۴۹۵)

ایک دوسری حدیث میں واقعہ مذکور ہے جس میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے نبی پاک (ﷺ) کا ایک جنگی راز فاش ہو گیا تھا۔ جب ثبوت مل گیا اور انھوں نے اقرار بھی کر لیا تو دینی غیرت کی بنا پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! (ﷺ) اجازت دیجیے! میں اس کی گردن مار دوں''۔ (آدابِ نبوّت اور غیرتِ دینی دیکھیے کہ از خود عمل کی جرأت نہیں کر رہے۔ جنگی راز فاش کرنے کی سزا موت ہی ہے مگر نبی کی اجازت کے بغیر صحابہؓ کچھ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے)۔ ارشادِ نبوی ہوا: ''عمر! وہ بدر میں شامل ہوا ہے اور اللہ نے فرما دیا ہے اے اہلِ بدر! اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ یعنی اے اہلِ بدر! اب تم جو چاہو کرو، بے شک میں تمھاری مغفرت کر چکا ہوں''۔ (بخاری: ۳۰۰۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی موجود ہیں۔ پہاڑ پر زلزلہ آ جاتا ہے، (یا شاید ایسی مقدس ہستیوں کی موجودگی پر وہ خوشی سے جھوم اٹھا ہے)۔ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''اے پہاڑ! تو کیوں ہلتا ہے تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں''۔ پہاڑ تھم جاتا ہے۔ حدیث رسول میں دس صحابہ کا نام لے کر انھیں جنت کی خوشخبری دی گئی..... **ابوبکر فی الجنة عمر فی الجنة عثمان فی الجنة علی فی الجنة زبیر فی الجنة طلحة فی الجنة سعد بن ابی وقاص فی الجنة سعید بن زید فی الجنة عبدالرحمٰن ابن عوف فی الجنة ابو عبیده ابن الجراح فی الجنة۔** اسی ارشادِ رسول (ﷺ) اور اسی بشارت کی بنا پر ان دس مقدس ہستیوں کو ''عشرہ مبشرہ'' (دس جنت کی خوشخبری پانے والے) کہا گیا۔ کیا کوئی دشمنِ دین کہہ سکتا ہے کہ یہ بشارت ان دس کے ساتھ اُن کے اعمالِ صالحہ پر رہنے اور آخر دم تک ایمان اور تقویٰ پر جمے رہنے سے مشروط تھی؟ اور یہی عشرہ مبشرہ تو بدر میں بھی حاضرت تھے۔ پھر یہی عشرہ مبشرہ غزوۂ حدیبیہ میں بھی حاضر تھے تو گویا ''اِن مقدسین کو بار بار مغفرت و جنت کی بشارت'' دی جارہی ہے۔ بعض اہلِ علم نے ایک نکتہ دیا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو مدینہ ہی میں رہ گئے تھے، وہ بدر میں حاضر نہ تھے، جواب یہ ہے کہ اُن کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا ورنہ وہ تم ہمسفری کے لیے بے قرار تھے۔ یہاں خود بنتِ نبی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری میں اُن کی خدمت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مدینہ میں ٹھہرا دیا اور واپسی پر دوسرے غازی مجاہدین کی طرح اُن کو بھی غنیمت میں پورا پورا حصہ دیا تھا تو گویا نیت میں اور غنیمت میں وہ بدر کے شرکاء کی طرح تھے اور عمل میں حکمِ نبی علیہ السلام پر عامل.....کوئی دشمنِ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ بے شک غزوۂ حدیبیہ کے مجاہدین اصحابِ رسول کے لیے وحیِ الٰہی اور حدیثِ رسول میں بخشش اور دخولِ جنت کا ذکر ہے مگر ''عثمان'' وہاں بھی موجود نہیں تھے۔ جواب تو موجود ہے، اگر عقل کھو نہیں گئی تو تھوڑا سا غور کریں۔ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سمیت چودہ سو صحابہ موجود ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم عمرہ کی نیت سے مدینہ سے احرام باندھ کر اور حرم میں قربانی کے لیے جانور لے کر پہنچے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ نبی کا ارادہ قطعاً لڑائی کا نہیں، مشرکین مکہ نے راہیں بند کر دی ہیں۔ احترامِ حرم کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کا ارادہ نہیں کر رہے۔ قریشِ مکہ کے سفیر آتے ہیں کہ واپس چلے جاؤ، ہم تمھیں عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ محبوب و محترم بیت اللہ کی زیارت کے لیے جبکہ فاصلہ چند کلومیٹر رہ گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ نبی شوق زیارت بیت اللہ کے لیے بے قرار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے، کسی طرح صلح صفائی کے ساتھ ہمیں زیارت بیت اللہ اور عمرہ کا موقع مل جائے۔ اسی مقصد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیرِ نبوّت بنا کر مکہ بھیجا جاتا ہے۔ وہ بھرپور سفارتکاری کرتے ہیں، قریشی سرداروں سے ملتے ہیں، مگر وہ کہتے ہیں: ''عثمان! تم آ گئے ہو، چلو تم عمرہ اور طواف کر لو مگر ہم تمھارے نبی اور اُن کے

ساتھیوں کو اجازت نہیں دے سکتے''۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پروانے کی طرح تڑپ کر بولتے ہیں: ''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرا نبی طواف سے روک دیا گیا ہو اور میں طواف کرلوں''۔ یہ محبت بھرا جواب قریشی سرداروں کو برا لگا۔ انھوں نے پروانۂ رسول عثمان (رضی اللہ عنہ) کو نظر بند کر دیا۔ مسلمانوں کا ردِّعمل معلوم کرنے کے لیے مشہور کر دیا گیا کہ عثمان سفیرِ رسول شہید کر دیے گئے ہیں، بس اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ نبی تڑپ کر رہ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے بیعت علی الموت لی۔ ''اسلحہ تو نہیں ہے مگر ہم عثمان کا بدلہ لے کر جائیں گے''۔ چودہ سو صحابہ بیعت کر رہے ہیں، عثمان تو نہیں ہیں۔ مگر سوچنے کی بات ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ عثمان (رضی اللہ عنہ) تو محمد رسول اللہ کے سفیر بن کر مشرکین مکہ کی حبسِ بے جا میں پڑے ہیں مگر جب ایک کم چودہ سو نے بیعت کر لی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بیعت بہت عظمت و رفعت والی ہے اس سے عثمان کیوں محروم ہیں اور آنے والے وقتوں کے منافقین معاندین کا منہ بھی بند کرنا تھا، نبوت نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ رکھا اور چودہ سو کے سامنے فرمایا: ''دیکھو یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ، میں عثمان کی طرف سے بھی بیعت کا اعلان کرتا ہوں''۔ بس اُسی دم جبریلِ امین بھی آ پہنچے، یارسول اللہ! اللہ فرماتے ہیں: '' یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ '' ، ہم بھی تمھاری بیعت میں شامل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ''۔ تو اب عقل و دانش و ہوش سے کام لیجیے! عثمان رضی اللہ عنہ غیر حاضر ہیں یا حاضر سے بھی کچھ اوپر ہیں۔ یہ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے لیے لی جا رہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے رہے ہیں..... ضد اور بغض و عناد کا علاج تو ہے نہیں، شاید اسی چیز کے افہام و تفہیم کے لیے دس خوش نصیبوں کو نام بہ نام جنت کا بشارت یافتہ بنایا جا رہا ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) غاصب کہنے والو! تم بھی سن لو وہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، ذی النورین سے عناد رکھنے والو! وہ جنتی ہیں، سیدنا علی شیرِ جلی رضی اللہ عنہ کی خامیاں تلاش کرنے والو! وہ جنتی ہیں، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما پر تبرّا کرنے والو! ان میں سے پہلے خوش بخت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق سے زندہ شہید اور دوسرے خوش نصیب کو جنت میں نبی کا حواری کہا جا چکا ہے اور یہ دونوں بھی بشارت یافتہ دس جنتیوں میں شامل ہیں، اسی طرح سعد و سعید اور ابوعبیدہ بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم جیسے مجاہدین اور فاتحین فارس و عراق اور شام والوں سے عداوت رکھنے والو! یہ دس کے دس جنتی ہیں۔ تم ان کو جمل و صفین میں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے دیکھ کر بھول نہ جانا، اپنی عاقبت خراب نہ کر لینا، یہ دس کے دس جنت میں ایک دوسرے کے سامنے رب کے عطا کردہ تختوں پر

شاداں وفرحاں بیٹھے ہوں گے۔

اگر چہ اللہ نے اپنی لاریب کتاب میں خبر دی ہے اور اس کی کوئی خبر نا درست ہو، یہ ممکن ہی نہیں۔ اس نے خبر دی ہے، جملہ فعلیہ، فعل ماضی پکی خبر، غیر مبدّل خبر ہے: ''رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ ''۔ اللہ اُن سے راضی ہو چکا اور وہ اللہ کے اس راضی ہونے سے شاداں وفرحاں ہو چکے..... '' وَ کُلًّا وَّ عَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی '' اور اس اللہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے جن کا وعدہ کر لیا..... '' وَ کَانَ وَعْدُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا '' اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

بقول سید نور الحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ اُمّت کو اپنے اعمال کے مقابل تولا جائے گا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال کا ذکر ہی نہیں۔ ایک طرف کے پلڑے میں اُن کی صحابیتِ رسول رکھی جائے گی اور دوسری طرف اُن کو رکھا جائے گا اور اُن کو کامیاب قرار دے دیا جائے گا۔ والّذینَ مَعَہٗ صحابہ کی صحابیت اور معیتِ رسول ہی اُن کی کامیابی کی ضامن بن جائے گی۔

تو یہاں بشارت کی دوسری قسم کی بات ہوئی یعنی اس بشارت کا تعلق شخصیات اور جماعت کے ساتھ ہے۔ اب ایسے شخص کی جہالت اور حماقت یا دناءت وسفاہت میں کیا شک رہ جاتا ہے جو ان مقدس شخصیات اور اس مقدس جماعت کو دی گئی بشارت کا تقابل بشارت اعمال، فضائلِ اعمال کے ساتھ کرے۔ اعمال کا تعلق کسی شخص، کسی جماعت، کسی علاقہ، کسی زمانہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں میں سے جو بھی ان اعمال کو اپنائیں گے وہ ان بشارتوں کے مستحق بنیں گے۔ کسی بھی لمحے اگر وہ اِن اعمال کا انکار کر دیں گے تو فضیلت و بشارت سے محروم ہو جائیں گے اور عمل کی صورت میں بھی استحقاق کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا کیونکہ ان کے خلوص یا، رِیا کو اللہ ہی جانتا ہے اور وہ مالک یوم الدین ہے۔ یہ فیصلہ اللہ ہی کرے گا۔ یہاں اعمال کی فضیلت بتانا مقصود ہوتی ہے اور خصوصاً غیر از اصحابِ رسول کے لیے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے لیے لسانِ وحی ترجمان سے ایک اور اعلان بھی ہو چکا ہے: ''لَا تَمَسُّ النَّارُ مَنْ رَأٰنِیْ اَوْ رَأٰ مَنْ رأٰنِیْ'' (حدیث رسول) یعنی میرے دیکھنے والوں کو آگ چھوئے گی بھی نہیں اور نہ ہی میرے صحابہ کے دیکھنے والوں کو آگ چھوئے گی۔ یہاں بھی صرف رؤیتِ رسول یعنی صحابیت کو آگ سے آزادی گویا جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اعمال کا کوئی ذکر نہیں..... کیونکہ اعمالِ خیر اور جہاد فی سبیل اللہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی صفات بن چکی ہیں، وہ ان کے اعمال سے کہیں بلند و بالا اُن کے مقدس اجساد وارواح کی صفاتِ لازمہ بن چکی ہیں یعنی جو صحابی ہے یا صحابہ کا دیکھنے والا (یعنی تابعی) تو اُن کے اعمال کا ذکر اس لیے غیر ضروری ہوا کہ وہ تو '' اَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی وَ

كَانُوْا أَحَقَّ بِهَا وَ أَهْلَهَا....." ۔سورج سے دھوپ اور روشنی جدا نہیں تو صحابہ سے تقویٰ جدا نہیں کیا جا سکتا، تقویٰ کے سب سے زیادہ حق دار اور اہل یہی خوش نصیب ہیں ۔تو گویا اعمال، صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے بعد کے لوگوں کے پوچھے اور پرکھے جائیں گے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے نہیں۔

یہی اعمال، وضو کی فضیلت، نماز کی فضیلت، صیام و قیام کی فضیلت، عمرہ و حج کی فضیلت، اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے اور شہادت کا اعلیٰ درجہ پانے کی فضیلت مگر ان فضائل میں کیا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث مبارکہ بھُلا دی جائے گی کہ حساب کے دن ایک ریا کار عالم کو بلایا جائے گا، ایک ریا کار سخی کو بلایا جائے گا، ایک ریا کار مجاہد و شہید کو بلایا جائے گا اور ان کو بتایا جائے گا کہ تم نے یہ اعمال میرے لیے نہ کیے تھے اور پھر اُن کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔لیکن کیا صاحبِ عقل و ایمان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرات صدیق و فاروق، غنی و علی، حضرات عشرہ مبشرہ، اہلِ بدر، اہل بیعت رضوان (رضوان اللہ علیہم اجمعین) و دیگر بشارت یافتہ حضرات کو اعمال کے فضائل کی طرح خلوص و ریا میں تقابل کیا جا سکتا ہے؟ یہ لوگ تو نام بہ نام مغفور اور مبشر بالجنت ہیں۔

بشارات کی اس دوسری قسم کا تعلق مخصوص افراد یا جماعت کے ساتھ ہوتا ہے۔خاص زمانہ، خاص علاقہ، خاص افراد اور خاص جماعت کو متعین کر لیا جاتا ہے جیسے صدیق و فاروق، غنی و علی، اصحاب عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب رضوان، مجاہدین غزوۃ البحر سیدنا معاویہ اور مجاہدین غزوۃ مدینہ قیصر سیدنا ابو ایوب، سیدنا حسین بشمول دیگر مجاہدین اور اُن کے امیر وصی ابی ایوب ابن امیر معاویہ رضی اللہ عنہم۔

پہلی قسم کی بشارت کا تعلق فضائلِ اعمال کے ساتھ ہوتا ہے، افراد متعین نہیں ہوتے، اس لیے ہر فرد اس کا مستحق نہیں کہلا سکتا جبکہ دوسری قسم کی بشارت میں افراد ہی کو متعین کر دیا جاتا ہے، اِن کا اس بشارت سے الگ کیے جانے یا خارج کیے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔پہلی قسم کی بشارت میں جن اعمال کی بشارت کا ذکر ہوتا ہے اُن اعمال کی حقیقت سے اللہ اچھی طرح واقف ہے۔دوسری قسم کی بشارت میں افراد یا جماعت کی فضیلت بتائی جاتی ہے، ان افراد یا جماعت کی حقیقت سے اور اُن کی پوری زندی کے کارناموں سے اللہ اچھی طرح واقف ہوتا ہے اس لیے ناممکن ہے کہ ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسی برائی جڑ جائے جو انھیں بشارت سے محروم کر دے۔ایسی صورت میں اللہ کے علم میں نقص لازم آئے گا جو ناممکن ہے۔

پہلی قسم کی بشارت کا تعلق فضائل اعمال کے ساتھ ہے کہ جب وہ عمل پایا جائے گا تو فضیلت حاصل ہو گی جبکہ دوسری قسم کی بشارت میں فضیلت خبر کی صورت میں ہے اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی خبر کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔اس

دوسری قسم کی بشارت میں مغفرت کا مطلب قطعی جنتی ہونا ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے جو خبر ہوتی ہے وہ مغفرت کی قطعیت پر دلالت کرتی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں: " وَالْجَيْشُ عَدَدٌ مُعَيَّنٌ لَا مُطْلَقٌ " (منہاج السنۃ، ج:۴،ص:۵۷۲)

یہ اس حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے کہ " اَوَّلُ جَيْشٍ يَّغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ " (بخاری)

قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا پہلا لشکر بخشا بخشایا ہے۔ حدیث قسطنطنیہ میں جو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے وہ بشارت کی دوسری قسم میں سے ہے۔ لفظاً ومعناً، خاص علاقہ، خاص زمانہ، خاص افراد اور خاص جماعت یہاں مراد ہے۔ اس بشارتِ مغفرت میں افراد، جماعت، علاقہ اور زمانہ کا تعین کر دیا گیا ہے۔ اس میں بتائے گئے افراد کا تعین حدیث، تفسیر، اور تاریخ وسیرت میں کر دیا گیا ہے۔ ان افراد کی پوری حقیقت اللہ کے علم میں تھی جس کا اظہار وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ، زبان وحی ترجمان کے ذریعے متعین کر دیا گیا۔ اس حدیث میں بشارت بصورتِ خبر ہے جو من عند اللہ وعند الرسول ہونے کی وجہ سے کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔ اصحابِ بدر ہوں، اصحابِ بیعتِ رضوان ہوں یا مجاہدین حدیث مغفور یہ خبر اُن کی مغفرت کی قطعیت پر یعنی اُن غازیان اوّل جیش کے جنتی ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اہلِ بدر کے بارے میں وضاحت ہوچکی۔

صغائر وکبائر کی مغفرت کی بحث میں علماءِ کرام نے پہلی قسم (فضائلِ اعمال) کی بشارت کے ضمن میں کی ہے، جہاں تک دوسری قسم کی بشارت کا تعلق ہے تو علماءِ کرام نے یہاں صغائر وکبائر کی کسی قسم کی کوئی بحث نہیں کی ہے بلکہ یہاں بالاتفاق کُلّی مغفرت یعنی جنتی ہونا مراد لیا ہے جیسے اہلِ بدر کا معاملہ مذکور ہوا۔

صحیح بخاری میں کئی احادیث جن میں کسی خاص شخص کی مغفرت کی بات ہے، اس سے اس کی کلّی مغفرت یعنی اُس کا جنتی ہونا مراد لیا گیا ہے۔ مثلاً حدیث نمبر: ۳۴۷۰ میں سو کے قاتل کا ذکر ہے اور پھر فرمایا فَغُفِرَ لَهٗ ، تو اس سے کلّی مغفرت مراد ہے۔ اسی طرح اہلِ بدر کے بارے میں فرمایا: " فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ " یہاں یہ کہنا کہ مغفرت سے مراد صرف صغائر کی مغفرت ہے پرلے درجے کی حماقت ہے۔

بہرحال جیش مغفور کی بشارت کا تعلق فضیلتِ اعمال سے ہے ہی نہیں بلکہ اس کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ فلاں شخص یا جماعت اُس بشارت میں شامل ہے۔ واللہ اعلم

تربیت

شاہ بلیغ الدینؒ

فرمایا.....آج سبق نہیں پڑھایا جائے گا۔ کیوں؟ کوئی وجہ طالب علموں کی سمجھ میں نہ آئی۔لیکن استاد کا حکم تھا، مجال نہ تھی کہ کچھ کہتے۔استاذ تھے مولانا شاہ عبدالقادر۔مولانا شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے!

قرآن مجید کا پہلا ترجمہ ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب نے کیا۔ یہ ترجمہ فارسی میں تھا، فارسی میں ترجمہ شیخ سعدی نے بھی کیا تھا اور وہ فارسی میں کلام اللہ کا پہلا ترجمہ نہیں تھا۔شاہ عبدالقادر اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین نے اردو میں پہلے پہل کلام اللہ کا ترجمہ کیا۔دونوں کے ترجمے الگ الگ ہیں۔ایک کا لفظی ترجمہ ہے، ایک کا رواں۔

جب شاہ عبدالقادر نے فرمایا کہ آج سبق نہیں ہوگا تو شاگردوں نے کتابیں سمیٹیں اور اٹھ گئے۔ یہ شاگرد تھے مولانا فضل خیر حق آبادی اور مفتی صدرالدین آزردہ۔استاد تو نام ور تھے ہی شاگرد بھی نام ور ہوئے۔علم، محنت اور شوق سے آتا ہے، یہ پیمبروں کی میراث یونہی نہیں مل جاتی۔شدہ بدہ پڑھ لینا یا خلاصے رٹ کر ڈگریاں لے لینا علم نہیں دکھاوا ہے۔ علم کا ایک حصہ ہے تربیت، اس کے لیے بزرگوں کی نظر چاہیے۔اقبال نے بڑی خوبی سے یہی بات کہی ہے ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

بغیر تربیت کے علم ادھورا رہ جاتا ہے۔ یہ جو استادِ محترم نے فرمایا کہ کتابیں اٹھاؤ آج درس نہیں ہوگا، یہ اسی تربیت کا ایک حصہ تھا۔ ہوتا یہ تھا کہ جس وقت یہ شاگرد جو بڑے کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے تھے، اپنی کتابیں نوکروں سے اٹھوا کر لاتے شاہ صاحب انھیں سبق نہ پڑھاتے اور جس دن خود یہ لوگ کتابیں لے کر آتے شاہ صاحب سبق پڑھاتے اور خوب پڑھاتے۔طالب علم میں شان، غرور اور تمکنت نہ ہونی چاہیے۔

مولانا قاسم نانوتویؒ جب دیکھتے کہ شاگرد ذرا اونچے دماغ کا ہے تو فرماتے میری جوتیاں اٹھا کر چلو۔ یہ اُس کا غرّا توڑنے کے لیے حکم ہوتا۔خود ان کی اپنی سادگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی شاگرد لاپرواہی سے اپنی جوتیاں چھوڑ جاتے تو مولانا انھیں اٹھا کر لے چلتے۔معلوم یہ ہوا کہ علم کے لیے بڑے ظرف کی ضرورت ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی بھی اسی شان کے بزرگ تھے، بڑے اللہ والے، بڑے علم والے، ساری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گزری۔ایک مرتبہ طالب علموں کو صحن میں بیٹھے پڑھا رہے تھے کہ اتنے میں بادل گھر کے آئے اور دیکھتے ہی

دیکھتے مینہ برسنے لگا۔ شاگردوں نے جلدی جلدی کتابیں سمیٹیں اور اندر چلے گئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی بھی اٹھے لیکن بارش سے بچنے کے لیے وہ اندر نہ گئے، انھوں نے سب شاگردوں کی جوتیاں سمیٹیں اور اٹھا کر لے گئے کہ پانی میں بھیگ نہ جائیں۔

بات تربیت کی ہے۔ تربیت بچے کو یا تو گھر پر ملتی ہے یا استاد سے۔ ایک صورت اور بھی ہے کہ آدمی خود اپنی تربیت آپ کرے۔ حکیم لقمان سے لوگوں نے پوچھا..... آپ اتنے اچھے اور نیک کیسے بن گئے۔ انھوں نے کہا: ''بروں کے ساتھ رہ کر''۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا..... یہ تو ممکن نہیں! بولے: ''یہ اس طرح ممکن ہوا کہ میں ان کے ساتھ رہ کر ان کی بری باتیں سنتا اور دیکھتا رہا اور خود ان بری عادتوں کو چھوڑتا جاتا''۔ لقمان بڑے علم والے تھے۔ دنیا انھیں حکیم کہتی ہے یعنی بڑا عقل مند! سچ ہے آدمیت نہ ہو تو علم بے کار ہے ؎

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

شوال کے روزے

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھے (نفل) روزے شوال کے مہینے میں رکھ لیے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا۔ اگر ہمیشہ ایسا کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے۔ (مسلم شریف بحوالہ مشکوۃ شریف ص ۱۷۹)

تشریح: اس مبارک حدیث میں رمضان المبارک گذرنے کے بد ماہ شوال میں چھے نفل روزے رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کا عظیم ثواب بتایا گیا ہے۔ ثواب دینے کے بارے میں اللہ پاک نے یہ مہربانی فرمائی ہے کہ ہر عمل کا ثواب کم از کم دس گناہ مقرر فرمایا ہے جب کسی نے رمضان کے تیس روزے رکھے اور پھر چھے روزے اور رکھ لیے تو یہ چھتیس روزے ہوگئے۔ چھتیس کو دس سے ضرب دینے سے تین سو ساٹھ ہو جاتے ہیں۔ قمری حساب سے ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے لہذا چھتیس روزے رکھنے پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین سو ساٹھ روزے شمار ہوں گے اور اس طرح پورے سال روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔ اگر ہر سال کوئی شخص ایسا ہی کر لیا کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزے رکھنے والا مان لیا جائے گا۔ اللہ اکبر! بے انتہا رحمت اور آخرت کی کمائی کے اللہ پاک نے کیسے بیش بہا مواقع دیے ہیں۔

منہاجِ نبوّت اور مرزا قادیانی

قسط:۷

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ

معیار نمبر۱۹: انبیاءِ کرام متضاد باتیں نہیں کرتے:

حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ نشانی ہے کہ وہ متضاد گفتگو نہیں کرتے یعنی ایسا نہیں کہ وہ ایک وقت میں کچھ ہیں اور دوسرے وقت میں کچھ.....اسی طرح ان کی وحی بھی تضادات سے پاک ہوتی ہے۔اللہ جل شانہٗ نے قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی ایک یہ دلیل بیان کی ہے: وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا. (النساء:۸۲)

ترجمہ: ''اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے''۔

بعض افراد کو قرآن وحدیث میں جو تضاد نظر آتا ہے وہ حقیقی تضاد نہیں بلکہ لاعلمی کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ اگر قرآن مجید کی ان آیات کا شانِ نزول اور زمانۂ نزول اسی طرح احادیث مبارکہ کا شانِ ورود اور پس منظر معلوم ہو تو تضاد ختم ہو جاتا ہے۔

مرزا قادیانی کی گفتگو اور وحی والہامات بے پناہ تضاد ہے صرف درج ذیل عنوانات سے اس کی تضاد بیانی کی وسعت کا اندازہ کیجیے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار و توہین

انبیاء کرام کی عظمت کا اقرار و توہین

کتب سماوی کی عظمت کا اقرار و توہین

نبی کریم ﷺ کی عظمت کا اقرار و توہین

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اقرار و توہین

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع ونزول کا اقرار وانکار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا اقرار وانکار

امام مہدی کے متعلق احادیث کا اقرار وانکار

مختلف شخصیات اور واقعات کے متعلق اقرار وانکار

ختمِ نبوّت کا اقرار وانکار وغیرہ

اس موضوع پر مولانا نور محمد سہارنپوری، محمد طاہر عبدالرزاق کے کتابچے اور احقر کی ایک مفصل کتاب شائع ہو

چکی ہے جس کا نام ہے ''قادیانیت کے دو چہرے''، برطانیہ سے طبع ہوئی ہے۔ پاکستان سے چھپوانے کی کوشش جاری ہے۔ واللہ المستعان۔

آمدم برسر مطلب! یہ تضاد بیانی مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کے خلاف بہت بڑی دلیل ہے۔

معیار نمبر۲۰: انبیاءِ کرام کا کوئی وارث نہیں ہوتا:

حضرات انبیاءِ کرام دنیوی مال و جائیداد کے مالک نہیں ہوتے۔ اس لیے ان کا کوئی وارث بھی نہیں ہوتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا''۔

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکناہ صدقة

(صحیح بخاری، ج:۲،ص:۵۷۵، کتاب المغازی، باب: حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

النبی لا یورث. (کنز العمال، ج:۱۱،ص:۴۷۴، رقم الحدیث:۳۲۲۲۷)

مرزا قادیانی نے اپنے آباء واجداد سے کافی وسیع جائیداد پائی تھی جو کہ اس کے اپنے بقول ۱۸۸۰ء میں دس ہزار روپے مالیت کی تھی۔ (روحانی خزائن، ج:۱،ص:۲۸)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چندہ اور نذرانوں میں اضافہ کی وجہ سے اس جائیداد میں بھی اضافہ ہو چکا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں یہ کیفیت تھی کہ دو لاکھ سے زائد روپے آ چکے تھے۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۲۵۳)

مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد یہ جائیداد اور نقد روپیہ اس کی اولاد میں تقسیم ہوا حالانکہ ایسا ہونا شانِ نبوّت کے یکسر خلاف ہے۔

عبدالرحمٰن خادم گجراتی نے لانرث ونورث کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ (احمدیہ پاکٹ بک، ص:۱۵۴، طبع جدید)

اگر یہ روایت درست مانی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاءِ کرام نہ خود کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے۔

قادیانیوں کی اس تسلیم کردہ وتحریر کردہ روایت کی رو سے مرزا قادیانی کے نبی ہونے کی دوہری تردید ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ مرزا قادیانی نے اپنے والد سے وراثت پائی اور اس کی اولاد نے اس سے، حالانکہ یہ دونوں امور شانِ نبوّت سے بعید ہیں۔

معیار نمبر۲۱: انبیاءِ کرام سچائی کے پیکر ہوتے ہیں:

حضرات انبیاءِ کرام سچائی کے پیکر ہوتے ہیں، وہ نہ صرف خود سچ بولتے ہیں بلکہ اپنی امتوں کو بھی سچ کی تعلیم دیتے ہیں۔

مرزا قادیانی کا دعویٰ تھا کہ میں تمام انبیاء کا بروز ہوں اور اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے نام مجھے دیے ہیں۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۷۶ حاشیہ)

اس کا دعویٰ ہے کہ ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔(ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن، ج:۱۸،ص:۲۰۹)

لیکن حالت یہ تھی کہ جان بوجھ کر غلط بیانی کرتا تھا اور پھر ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے دو چار مزید جھوٹ بول لیتا تھا۔ ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوّت'' ملتان میں احقر کے پانچ مضامین شائع ہوئے، ان میں احقر نے مختلف عنوانات کے تحت مرزا قادیانی کے چالیس جھوٹ جمع کیے ہیں، مولانا نور محمد سہارنپوریؒ، مولانا عبدالواحد مخدومؒ نے مرزا کے جھوٹوں پر مستقل کتابیں لکھ دی ہیں۔ یہاں پر مرزا کے چند ایک شاہکار جھوٹ نقل کیے جاتے ہیں۔

جھوٹ نمبر۱: ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا سو یہ تمام علامات بھی اس زمانہ میں پوری ہوگئیں۔(روحانی خزائن، ج:۲۱،ص:۳۵۹)

جھوٹ نمبر۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کے ظہور کے لیے چودھویں صدی ہی قرار دی تھی۔

(روحانی خزائن، ج:۱۷،ص:۱۴۳)

جھوٹ نمبر۳: مسیح موعود کی نسبت تو آثار میں لکھا ہے کہ علماء اس کو قبول نہیں کریں گے۔

(روحانی خزائن، ج:۲۱،ص:۳۵۷)

جھوٹ نمبر۴: اے عزیزو تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تم کو نبیوں نے دی ہے اور اس شخص کو یعنی مسیح موعود کو تم نے دیکھ لیا جس کے دیکھنے کے لیے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی۔

(روحانی خزائن، ج:۱۷،ص:۴۴۲)

جھوٹ نمبر۵: اب واضح رہے کہ احادیث نبویہ میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔

(روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۴۰۶)

جھوٹ نمبر۶: خدا نے قرآن شریف میں کہا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام آسمان پر اٹھایا جائے گا۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن، ج:۳،ص:۴۹۰ حاشیہ)

جھوٹ نمبر۷: مجھے لوگوں نے ہر قسم کی گالی دی میں نے جواب نہیں دیا۔

(مواہب الرحمٰن روحانی خزائن، ج:۱۹،ص:۲۳۶)

جھوٹ نمبر۸: تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ، مدینہ اور قادیان۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن، ج:۳،ص:۱۴۰)

جھوٹ نمبر۹: عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام مکتبوں میں بیٹھے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک یہودی استاد سے تمام تورات پڑھی تھی۔

(ایام الصلح روحانی خزائن، ج:۱۴،ص:۳۹۴)

جھوٹ نمبر۱۰: اولیاءِ گزشتہ کے کشوف نے اس بات پر قطعی مہر لگا دی ہے کہ وہ (مسیح موعود) چودھویں صدی کے سر پر پیدا ہوگا اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔

(اربعین نمبر۲ روحانی خزائن، ج:۷،ص:۳۷۱)

قادیانیوں سے بارہا مطالبہ کیا گیا کہ وہ مرزا قادیانی کے ان جھوٹوں کو سچ ثابت کریں بصورتِ دیگر اسے سچا نبی ماننا چھوڑ دیں، اس لیے کہ جھوٹ بولنا نبی کا شیوہ نہیں ہوتا اور جھوٹا شخص نبی نہیں ہوسکتا لیکن وہ اپنے دنیوی مفادات کی وجہ سے غور کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

معیار نمبر۲۲: انبیاءِ کرام کی دنیا سے بے رغبتی مثالی ہوتی ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل**. دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم اجنبی یا مسافر ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا، دنیا کے ساز وسامان کا کیا ذکر کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات کئی کئی ماہ گھر میں آگ نہ جلتی تھی، کھجوروں پر گزر بسر ہوتی تھی۔

قرآن وحدیث میں دنیا اور جمع اموال کی مذمت میں اتنا کچھ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔ کمزور ایمان وناقص توکل رکھنے والوں کو مال جمع کرنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن وہ بھی کئی شراط کے ساتھ مشروط ہے مثلاً حقوق العباد کا خیال رکھا جائے، حلال وحرام کی تمیز کی جائے، مال جمع کرنے کے لیے گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے وغیرہ۔ دین اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر طبقہ کی مقتدر شخصیات نے مال جمع کرنے کو اپنا مشن نہیں بنایا دین کی آڑ میں دنیا نہیں کمائی۔ مرزا قادیانی کا دعویٰ تھا ایک اہم مذہبی شخصیت ہونے کا یعنی وہ **ملھم من اللہ**، مجدد، مسیح ہونے کے دعوے کرتا تھا لیکن اسے دنیا سے بہت محبت تھی، اسے خواب بھی نذرانے ملنے کے لیے آتے تھے، خوب مال کمایا یقین نہ آئے تو درج ذیل حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

نذرانے ملنے کے خواب:

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ سے یہ عادت ہے کہ اکثر جو نقد روپیہ آنے والا ہو یا اور چیزیں تحائف کے طور پر ہوں ان کی خبر قبل از وقت بذریعہ الہام یا خواب کے مجھ کو دے دیتا ہے اور اس قسم کے نشان پچاس ہزار سے کچھ زائد ہوں گے۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۳۴۶)

ذاتی جائیداد کی مالیت:

اگر میری تائید میں خدا کا فیصلہ نہ ہوتو میں اپنی کل املاک منقولہ وغیرہ جو دس ہزار روپیہ کی قیمت سے کم نہیں ہوگی عیسائیوں کو دے دوں گا۔ (اشتہار مؤرخہ ۱۴ر ستمبر ۱۸۹۶ء) (مجموعہ اشتہارات، ج:۲،ص:۲۵۱، مطبوعہ لندن)

مرزا قادیانی کا بیانِ حلفی:

انکم ٹیکس کے ایک مقدمہ میں مرزا قادیانی نے حلفاً بیان کیا کہ ذرائع آمدنی درج ذیل ہیں:

تعلقہ داری کی سالانہ آمدنی..... بیاسی روپے دس آنے

زمین کی سالانہ آمدنی.....تین سو روپے

باغ کی سالانہ آمدنی.....دوسو سے پانچ سو روپے تک

مریدوں کی طرف سے ہدیہ ملنے والے رقم..... پانچ ہزار دوسو روپے

جب کہ حکومت نے مرزا قادیانی کی ذاتی آمدنی سات ہزار دوسو روپے قرار دی اور اس پر ایک سو ستاسی روپے آٹھ آنے انکم ٹیکس لاگو کیا گیا۔ (ضرورۃ الامام مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۳،ص:۵۱۶)

ذاتی مکانات:

پہلے مرزا قادیانی کے پاس ایک مکان تھا بعد ازاں دو اور مکان حاصل کر کے مکان میں توسیع کی گئی۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۳۹۳)

زمین کی وراثت:

مرزا قادیانی کی ایک رشتہ دار عورت امام بی بی فوت ہوئی تو اس کی آدھی زمین مرزا کو اور بقیہ نصف دوسرے رشتہ داروں کو ملی۔ (نزول المسیح روحانی خزائن، ج:۱۸،ص:۵۹۱، ۵۹۲)

منی آرڈر کی آمدنی:

ایک ہزار سے زائد روپے.....(سیرت المہدی حصہ سوم،ص:۱۰۲، روایت نمبر ۶۳۶)

ڈیڑھ صد روپے.....(مکتوبات احمد، ج:پنجم نمبر اوّل،ص:۲)

پانچ صد روپے.....(مکتوبات احمد، ج:پنجم نمبر اوّل،ص:۲)

ایک سو روپے.....(مکتوبات احمد، ج:پنجم نمبر اوّل،ص:۲)

ایک سو روپے.....(مکتوبات احمد، ج:پنجم نمبر اوّل،ص:۲)

ایک سو روپے.....(مکتوبات احمد، ج:پنجم نمبر اوّل،ص:۲)

منی آرڈر کے ذریعہ آنے والی رقوم کا احاطہ دشوار ہے اس لیے نمونہ کے چند حوالوں پر اکتفا کیا گیا۔ (مؤلف)

رقم لانے والا فرشتہ:

مرزا قادیانی کے بقول ایک فرشتے نے اسے بہت سا روپیہ دیا جس کا نام ٹیچی ٹیچی تھا۔

(روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۳۴۵،۳۴۶)

کئی لاکھ آمدنی:

اگر ہر روز آمدن اور خاص وقتوں کے مجمعوں کا اندازہ لگایا جائے تو کئی لاکھ تک اس کی تعداد پہنچتی ہے۔

(روحانی خزائن، ج:۲۱،ص:۷۵،۷۶)

اس وقت سے آج تک دو لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ آیا۔(روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۲۵۳)

مرزا قادیانی نے اس پیسہ کو کبھی دینی اغراض یا رفاہِ عامہ کے لیے استعمال نہیں کیا۔

معیار نمبر۲۳: انبیاءِ کرام ایفائے عہد میں کامل ہوتے ہیں:

وعدہ کر کے اسے نبھانا ایک شریف آدمی کا شیوہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایفائے عہد کو مومن کی نشانی اور وعدہ خلافی کو منافق کی علامت قرار دیا ہے۔ایک مومن شخص کی شان یہ ہے کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان تو بہت بلند ہے، وہ تو شریعت کا چلتا پھرتا پیکر ہوتے ہیں۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی ہے: اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا. (مریم:۵۴)

اسی طرح ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ کر کے اسے پورا کرنا مشہور و معروف ہے۔اب مرزا قادیانی کو دیکھیں جس کا دعویٰ ہے کہ سابقہ انبیاء کرام کے متفرق کمالات اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیے ہیں۔

(ملفوظات، ج:سوم،ص:۲۷۰مطبوعہ لندن)

لیکن ان حضرات کی ایک صفت کا پرتو بھی اس میں نہ تھا۔ان صفات حسنہ میں سے ایک اچھی صفت وعدہ کرنا کے متعلق مرزا قادیانی کے احوال معلوم کرتے ہیں۔

براہین احمدیہ کی تکمیل کے متعلق وعدہ خلافی:

مرزا قادیانی نے ایک کتاب براہین احمدیہ کے نام سے لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کے متعلق اشتہار دیا کہ میں ایک کتاب لکھوں گا جس کے پچاس حصے ہوں گے اور اس میں صداقتِ اسلام پر تین سو دلائل لکھے جائیں گے، چونکہ میرے پاس وسائل نہیں ہیں اس لیے مسلمان امراء خاص تعاون کریں اور پیشگی رقوم و عطیات بھیجیں۔ پہلے کتاب کی قیمت پانچ روپے مقرر کی۔ جب مطلوبہ قیمت اور عطیات کی صورت میں کافی رقوم جمع ہوئیں تو حرص نے جوش مارا اور قیمت دس روپے کر دی۔اس پر بھی ہوس کی تسکین نہ ہوئی تو مزید اضافہ کر کے پچیس روپے سے سو روپے تک قیمت وصول کرنے لگا، مرزا قادیانی نے اس کتاب کے چار حصے ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء کے دوران لکھے اور چھپوائے، ۱۸۸۴ء میں چوتھا حصہ لکھنے کے بعد کتاب کی اشاعت ملتوی کر دی اور رقوم

ہضم کرلیں، پیشگی قیمت دینے والوں نے کتاب کی مکمل اشاعت بصورت دیگر پیسوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے عذر ہائے لنگ کا انبار لگادیا۔ آخر اکیس سال بعد ۱۹۰۵ء میں براہین احمدیہ کی پانچویں جلد شائع کی تو اس کے دیباچہ میں لکھا۔

مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے کہ براہین احمدیہ کی مطبوعہ جلدوں میں صرف ایک دلیل لکھی گئی ہے اور وہ بھی ادھوری۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے دو قسم کی عہد شکنی کی۔

۱۔ کتاب کی پچاس جلدیں لکھنے کا اعلان کیا اور صرف پانچ پر اکتفا کیا۔

۲۔ کتاب میں صداقتِ اسلام پر تین سو دلائل لکھنے کا وعدہ کیا لیکن صرف ایک دلیل لکھی اور وہ بھی ادھوری۔

دوسری عہد شکنی:

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ''سراج منیر'' شائع کرنے کے لیے اپنے مریدوں سے خوب پیسہ اکٹھا کیا، گیارہ سال پیسہ جمع ہوتا رہا لیکن رسالہ نہ چھپا، مولانا بٹالوی نے اپنے رسالہ میں اس مسئلہ کو اٹھایا تو معترضین کے منہ بند کرنے کے لیے تقریباً بہتّر صفحات کا ایک مختصر کتابچہ شائع کر دیا، جان چھڑالی۔ دوسرا دجل یہ کیا کہ وعدہ تھا اس رسالہ میں صداقتِ اسلام پر بحث کرنے کا لیکن اس میں اپنی پیش گوئیاں جمع کر دیں۔

تیسری عہد شکنی:

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب شحنۂ حق کے آخر میں اشتہار دیا کہ میں ایک رسالہ ''قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ'' شائع کرنا چاہتا ہوں جو کہ ہر ماہ شائع ہوا کرے گا، اس رادہ کا اظہار کئی خطوط میں بھی کیا مگر وہ رسالہ بالکل شائع نہ ہوا۔

چوتھی عہد شکنی:

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب نشانِ آسمانی کے آخر میں اشتہار دیا کہ اب پختہ ارادہ ہے کہ اس کے بعد دافع الوساوس شائع کی جائے۔ لیکن اس نام کی کوئی ایک کتاب چھاپنے کی بجائے آئینہ کمالاتِ اسلام کا نام ہی دافع الوساوس رکھ دیا۔

پانچویں عہد شکنی:

مرزا قادیانی نے ۲۳ر جولائی ۱۹۰۰ء کو اعلان کیا کہ میں نے مخالفین و منکرین پر اتمام حجت کے لیے چالیس اشتہار نکالنے کا ارادہ کیا ہے، اس رسالہ کا نام اربعین ہوگا۔ (روحانی خزائن، ج:۷، ص:۳۴۳ مع حاشیہ) لیکن اربعین نمبر۴ کے آخر میں چار کو چالیس قرار دیتے ہوئے لکھا: ''وہ امر پورا ہو چکا جس کا میں نے ارادہ کیا تھا اس لیے میں نے ان رسائل کو صرف چار نمبر تک ختم کر دیا اور آئندہ شائع نہیں ہوگا''۔ (روحانی خزائن، ج:۱۷، ص:۴۴۲)

قارئین کرام! تفصیلات کے لیے مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری کی کتاب رئیس قادیان کا باب نمبر۳۲ ملاحظہ فرمائیں۔ **(جاری ہے)**

غزل

پروفیسر خالد شبیر احمد

رمزِ جنون و عشق سے جو فیضیاب ہے
دشتِ جنوں میرا وہی ہمرکاب ہے

جو شہپرِ شعور ہے جو شوکتِ جنوں
وہ آسمانِ شوق کا بھی آفتاب ہے

دامن پہ جس کے دھبہ نہ داغ ہے کوئی
وہ دورِ شر میں آج بھی عزت مآب ہے

جو لا الٰہ کی رمز سے ہے آشنا ہوا
نظروں میں اُس کی دنیا یہ مثل سراب ہے

جن کی چمک سے دل میں میرے روشنی ہے آج
اُن کے ہی دم قدم سے میری آب و تاب ہے

مجھ کو سکوں ، قرار سے کچھ واسطہ نہیں
میرا سکوں تو میرا ہی یہ اضطراب ہے

یہی تو رازِ زندگی ہے بس یہی فقط
کہ زندگی یہ پانی یہ مثل حُباب ہے

فقر و غنا کی مستی سے سرشار جو ہوا
دل اُس کا ہی فدائے در بوترابؓ ہے

ہمدم میں جس پہ ہوں دل و جان سے فدا
پیشِ نگاہ میرے وہی آفتاب ہے

خاؔلد میرے شعور میں ہے جن کی چاندنی
دراصل ذکر اُن کا ہی شرابِ ناب ہے

زادالمعاد کے اردو ترجمہ از رئیس احمد کا سرسری جائزہ (قسط:۹)

علامہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۔ علاّمہ ابن قیم رحمہ اللہ کتاب میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ پانچ مواقع پر عورت کو مرد سے نصف حیثیت حاصل ہے، جن میں سے ایک عقیقہ ہے۔ اس جگہ جعفری صاحب نے فٹ نوٹ کی شکل میں حضرت مصنف کے خلاف اختلافی نوٹ دیا ہے، اس کے چند جملے قارئین کی ضیافت کے لیے نقل کیے جاتے ہیں:

''اگر کسی معاملہ میں مرد کو عورت پر تفوق حاصل ہے تو کسی معاملہ میں عورت، مرد پر تفوق رکھتی ہے، مثلاً پاک دامن عورت پر بدچلنی کا اتہام لگانے کی سزا اسی کوڑے ہے، لیکن پاکدامن مرد پر بدچلنی کی تہمت پر یہ سزا نہیں ہے''۔ (ج:۱،ص:۱۲۹)

مدارس عربیہ میں ایک جملہ بولا جاتا ہے '' **من لم یعرف الفقه ، قد صنَّف فیه کتابا** '' ۔تعجب ہے کہ ایک شخص علم سے اتنا بے بہرہ اور جرأت یہ کہ شریعت کے طے شدہ مسائل میں ائمہ دین کے برخلاف رائے زنی کی جارہی ہے۔ معلوم نہیں حد قذف کے مسئلہ میں عورت اور مرد کا فرق جعفری صاحب نے کہاں سے نکال لیا۔ اسی پر صادق آتی ہے مثل:'' **انف فی الماء و استٌ فی السماء** ''۔

۱۱۔ ایک مقام پر کتاب میں یہ الفاظ آئے ہیں:'' **اتی سباطة قوم ، و هو ملقی الکناسة ، و یسمی المزبلة** ''۔

اس کا صحیح ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی کی کوڑی کے پاس آئے اور کوڑی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا ہو اور اس کو عربی میں ''مزبلة'' بھی کہا جاتا ہے۔

جعفری صاحب نے اس موقع پر حد کردی ہے، غلطی نہیں بلکہ ''غلطاڑ'' کے مرتکب ہوئے ہیں، لکھتے ہیں:'' آپ ﷺ ایک کوڑے کے ڈھیر کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ مزبلہ نام کی چادر اوڑھے ہوئے تھے''۔ (ج:،۱،ص:۱۳۸)

لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ کناسہ کے معنی چادر کے کر دیے اور مزبلہ اس کا نام تجویز کرلیا۔ یوں عربی زبان کا بھی ستیاناس کیا اور سیرت نگاری کا بھی۔

۱۲۔ کتاب میں اس مسئلہ پر مبسوط بحث ہے کہ مونچھوں کو کتروانا چاہیے یا منڈوانا۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن القیمؒ نے حضرت امام مالکؒ کا ایک قول نقل کیا ہے:'' **و أریٰ ان یُؤدَّبَ مَن حَلَّق شاربه** ''۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے:''میری

رائے میں جو شخص مونچھیں منڈوائے، وہ تنبیہ اور تادیب کا مستحق ہے''۔ مگر جعفری صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''اور میں سمجھتا ہوں کہ مونچھیں مناسب طریقہ سے بنائے''۔ (ج:۱،ص:۱۴۱) سبحان اللہ!

اسی بحث میں جعفری صاحب نے ایک اور بڑا دلچسپ لطیفہ پیدا کیا ہے، مصنف لکھتے ہیں:

" واحتج المحفون باحاديث الامر بالاحفاء "

یعنی جو لوگ مونچھیں منڈوا دینے کے قائل ہیں، وہ ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں اِحفاء (مونڈنے) کا حکم آیا ہے۔ آپ نے خط کشیدہ لفظ کو دیکھا ہے، یہ اِحفاء سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، مگر جعفری صاحب یہ سمجھے کہ یہ کسی محدث یا فقیہ بزرگ کا نام ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''اور محفون نے اس حدیث سے دلیل پیش کی ہے.....''

(ج:۱،ص:۱۴۲)

کتابت کی غلطی سے محفون کی بجائے مظعون لکھا گیا ہے یا ممکن ہے یہ تصحیح بھی جعفری صاحب نے فرمادی ہو۔

مدارسِ دینیہ میں ''امام توقان'' کا لطیفہ پہلے سے چل رہا تھا، اب امام محفون..... یا مظعون..... کا تعارف جعفری صاحب نے کرادیا ہے۔

۱۳۔ کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ نقل کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

" خير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم".

جعفری صاحب خط کشیدہ لفظ کا ترجمہ کرتے ہیں: ''بہترین تحفہ''۔ (ص:۱۴۶) حالانکہ ھـــــدی کے معنی سیرت کے ہیں۔

انھیں اتنا بھی خیال نہیں رہا کہ جس کتاب کا وہ ترجمہ کررہے ہیں، اس کا پورا نام ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد'' ہے تو کم از کم اسی کا صحیح ترجمہ معلوم کرلیتے۔

۱۴۔ وضو کے بیان میں مصنف فرماتے ہیں: " وكان يغسل رجليه اذا لم يكونا فى خفين و لا جوربين..... الخ"۔

یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے نہیں پہنے ہوئے ہوتے تھے تو دونوں پاؤں کو دھوتے تھے، بصورت دیگر موزوں کا مسح فرمالیتے۔

جعفری صاحب کا ترجمہ پڑھیے اور ان کی علمی احتیاط اور دیانت داری کی داد دیجیے:

''اگر موزے نہ پہنے ہوتے یا پاتابے استعمال میں نہ ہوتے تو پورے پاؤں کا مسح کرتے، لیکن اگر پہنے ہوتے تو صرف موزوں کا مسح کرلیتے''۔ (ج:۱،ص:۱۵۱)

۱۵۔ نماز چاشت کے بیان میں علامہ ابن القیمؒ مورق عجلی کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما

سے دریافت کیا: کیا آپ چاشت کی نماز پڑھا کرتے ہیں؟ کہا: نہیں، میں نے کہا: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھا کرتے تھے؟ کہا: نہیں، میں نے کہا: تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ کہا: نہیں، میں نے پوچھا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم؟ کہا: **لا اخالہ**'' ۔یعنی میں ایسا خیال نہیں کرتا۔اب یہ ''**اخالہ**'' واحد متکلم فعل مضارع معلوم کا صیغہ ہے، خیال سے مشتق ہے، مگر جعفری صاحب کا ترجمہ سنیے اور سر دھنیے، آپ فرماتے ہیں: ''نہیں، وہ بھی نہیں۔ان کا کوئی بھائی نہیں''۔(ج:۱،ص:۲۲۷)

اللہ تعالیٰ انھیں معاف کرے، وہ یہ بھی نہ سوچ سکے کہ ''ان کا کوئی بھائی نہیں'' کہنے کی تک ہی کیا بنتی ہے؟

۱۶۔ حضرت مصنف نے جمعہ کے بیان میں ''وادیٔ مزید'' کا ذکر قدرے بسط سے کیا ہے، چند جملے مع ترجمہ ملاحظہ ہوں:

'' فیتجلّی لھم عز و جلّ فیغشاھم من نورہ شیء لو لا انہ قضی ان لا یحترقوا لاحترقوا لما یغشاھم من نورہ ..... فیرجعون الی منازلھم و قد اعطی کل واحد من الضعف علی ما کانوا فیہ ..... الخ''۔

صحیح ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ ان کے سامنے جلوہ افروز ہوں گے، اس کے نور سے کوئی چیز انھیں ڈھانپ لے گی۔اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ وہ جلیں گے نہیں تو اس کے نور کے چھا جانے سے (تجلیات کی تاب نہ لا کر) بہشتی جل جاتے..... پھر وہ اپنے ٹھکانوں کو واپس ہوں گے اور ہر شخص کو پہلے سے دوگنی نعمتیں مل چکی ہوں گی۔

اب جعفری صاحب کی گل کاریاں ملاحظہ ہوں، لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ان کے سامنے منکشف ہوجا ہے تو وہ ذرا سی جھلک دیکھتے ہی غش کھا جاتے ہیں، جب ان کو غش آتا ہے تو اگر ان کے متعلق یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ نہ جلیں تو ضرور جل جاتے..... پھر وہ لوگ اپنے منازل کو واپس آجاتے ہیں، اس واقعہ کے باعث ان پر ضعف طاری ہوجاتا ہے''۔(ج:۱،ص:۲۵۲)

جعفری صاحب کی معلومات کا دائرہ کتنا تنگ ہے، انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ جنت میں کوئی کمزور نہیں ہوگا۔

۱۷۔ آغاز نماز جمعہ کے سلسلہ میں مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ نقل کیا ہے، اس میں ایک جملہ ہے: '' **ثم لیدعن غنمہ لیس لھا راع**'' یعنی جس روز قیامت قائم ہوگی تو آدمی اپنی بکریوں کو چھوڑ دے گا، کوئی ان کا چرانے والا نہ ہوگا۔جعفری صاحب ترجمہ کرتے ہیں: ''وہ اپنی بکریوں کو بلائے گا''۔(ص:۲۵۳)

۱۸۔ بچوں کی نماز جنازہ کے ضمن میں حافظ ابن قیمؒ، صاحبزادہ ابراہیم کے بارے میں ایک روایت لاتے ہیں:

'' و ذکر عطاء بن ابی رباح '' ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلّٰی علی ابنہ ابراھیم و ھو ابن سبعین لیلۃ و ھذا مرسل و ھم فیہ عطاء فانہ قد کان تجاوز

السنة'' ۔

صحیح ترجمہ: عطاء بن ابی رباح (تابعی) سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی نماز جنازہ پڑھی تھی، جب کہ وہ ستر دن کے تھے۔ یہ روایت مرسل ہے۔ اس میں عطاء کو مغالطہ ہوا ہے کیونکہ وہ (حضرت ابراہیم) ایک سال سے تو تجاوز کر چکے تھے۔

جعفری کا ترجمہ پڑھیے اور ان کی حدیث دانی کی داد دیجیے، فرماتے ہیں:

''حضرت عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کا جنازہ پڑھا جب کہ ان پر صرف ۱۷، راتیں گزری تھیں، یہ روایت بھی مرسل ہے اور اس میں ایک راوی عطاء ہیں، اور یہ عمر میں تجاوز کر چکے تھے''۔ (ص: ۳۴۷)

ایک تو سبعین کا ترجمہ ستر کی بجائے سترہ غلط کیا گیا ہے، دوسرا جعفری صاحب کو یہی معلوم نہیں کہ ''مرسل'' کسے کہتے ہیں؟ اسی لیے لکھتے ہیں کہ اس میں ایک راوی عطاء ہیں، یہ روایت بھی مرسل ہے میں ''بھی'' کا لفظ بالکل غلط بڑھایا گیا ہے۔ عبارت کے آخری خط کشیدہ جملہ کا ترجمہ بھی صریحاً غلط ہے۔

۱۹۔ اسی صفحے پر جعفری صاحب نے ایک اور کمال کر دیا ہے، لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے جابر جعفی کی روایت کے ذریعہ حضرت براء کی حدیث کو..... ضعیف قرار دیا ہے''۔

اگر جعفری صاحب کو علم حدیث اور اسماء الرجال سے کوئی مناسبت ہوتی تو انھیں معلوم ہوتا کہ ''جابر جعفی'' کیسے ''بزرگ'' ہیں اور کیا ان کی روایت بھی اس قابل ہو سکتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں حضرات براء جیسے جلیل القدر صحابی کی روایت کو ضعیف قرار دیا جا سکے؟ حد تو یہ ہے کہ جعفری صاحب نے دو سطر پہلے یہ نہیں دیکھ لیا کہ جابر جعفی حدیث براء بن عازب کا راوی ہے اور ابن قیمؒ یہاں پر یہی کہنا چاہتے ہیں کہ چونکہ حضرات براء کی روایت میں جابر جعفی کا واسطہ ہے، اس لیے بعض علماء نے اس روایت کو ضعیف اور نا قابل اعتبار قرار دیا ہے۔

۲۰۔ کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے: '' **لم یکن من هدیه: ان یبعث سعاته الا الی اهل الاموال الظاهرة من المواشی والزروع والثمار** ''۔ یعنی آپ کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ اموال ظاہرہ، جانوروں، فصلوں اور پھلوں کے مالکوں کے علاوہ کسی کے پاس اپنے عاملوں کو بھیجتے۔

جعفری صاحب اِلّا حرفِ استثناء کو نظر انداز کر کے بات بدل دیتے ہیں، ان کا ترجمہ یوں ہے: ''اور آپ کا یہ طریقہ تھا کہ عاملین کو چوپایوں، پھلوں اور فصلوں جیسے ظاہری اموال کے مالکوں کی طرف بھیجتے تھے''۔ (ص: ۳۵۹)

کتاب الحج کے مباحث جو اصل کتاب میں ڈیڑھ سو سے زیادہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

ان کا ترجمہ جعفری صاحب کے دل پر بڑا بوجھ بن گیا تھا، درمیان میں صفحوں چھوڑ دیے ہیں، ان کے ترجمہ کی زحمت ہی گوارانہ فرمائی، پھرنہیں کہا جاسکتا کہ یہ بھی جعفری صاحب کی نظرِ کرم کا نتیجہ ہے یاناشر نفیس اکیڈمی کی عنایت، کہ کتاب کے باقی ماندہ مضامین کا ترجمہ آگے پیچھے کر دیا گیا، اس بے ربطی اور بے ترتیبی کا سرسری اندازہ لگانے کے لیے درج ذیل جَدْوَلْ کو دیکھیے:

اصل کتاب زادالمعاد، الجزء الاوّل				ترجمہ اردو، حصہ اوّل			
صفحات	۳۵۵	تا	۴۱۴	صفحات	۴۳۵	تا	۴۴۷
//	۴۱۴	تا	۴۵۸	//	۴۲۲	تا	۴۳۴
//	۴۵۹	تا	۴۷۷	//	۴۰۳	تا	۴۲۱

مضامین میں حذف واختصار کے ساتھ اس بے ترتیبی کی وجہ سے جو گڑبڑ پیدا ہوئی ہے، اس کا اندازہ کچھ اہلِ علم ہی لگا سکتے ہیں۔

اب چند ایک مثالیں کتاب کے حصۂ دوم سے پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ حافظ ابن قیمؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' و كان فى كفالة رسول الله ﷺ اخذه من عمه ابى طالب اعانةً له فى سنة محلٍ''

صحیح ترجمہ یہ ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے لے رکھا تھا، تاکہ قحط کے سال میں ان کی امداد ہوجائے۔

جعفری صاحب اس عبارت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے، انھیں آپ نے اپنے چچا سے تربیت کرنے کے لیے لے لیا تھا''۔(ج:۲،ص:۹۶)

۲۔ مصنف فرماتے ہیں:

'' فصار ختان اسحاق سنة فى ولده ، و ختان اسمٰعيل سنة فى ولده ''۔

صحیح ترجمہ: تو حضرت اسحاق علیہ السلام کا ختنہ، ان کی اولاد میں دستور بن گیا اور حضرت اسماعیل کا ختنہ ان کی اولاد میں رائج ہوگیا۔

جعفری صاحب کا ترجمہ: اسحاق علیہ السلام کا ختنہ بچپن میں ہوا اور حضرت اسماعیل کا ختنہ بھی بچپن میں ہوا''۔(ج:۲،ص:۱۷)

مزے کی بات تو یہ ہے کہ جعفری صاحب اوپر لکھ چکے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا ختنہ ساتویں دن اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ تیرھویں سال میں ہوا۔ نہ اس لکھے ہوئے کا لحاظ کیا اور نہ عربی زبان کو سمجھ سکے۔

۳۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو گزارش کی تھی، اس میں ایک جملہ ہے: '' **و تفکون العانی** ''۔ یعنی تم لوگ قیدی کو چھڑوا لیتے ہو، مگر جعفری صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ''آپ مسکین کی مدد کرتے ہیں''۔

اس واقعہ میں آگے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایثار دیکھا تو ''**اخرجه الی الحجر**'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حطیم کی طرف لے کر گئے اور فرمایا: ''میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ زید میرا بیٹا ہے''۔ (ج:۲،ص:۹۷)

جعفری صاحب '' **اخرجه الی الحجر** '' کا ترجمہ کرتے ہیں: ''انھیں دامن میں لے لیا''۔

۴۔ ہجرت حبشہ کے بیان میں حضرت مصنف لکھتے ہیں: '' **و خرجو متسللین سرا** ''۔ یعنی مہاجرین چھپ چھپ کر نکلے۔ جعفری صاحب **متسللین** کا ترجمہ کرتے ہیں: ''مسلح حالت میں''، جو بالکل غلط ہے۔ '' **یتسللون** '' کا لفظ قرآن مجید (سورۂ نور:۶۳) میں آیا ہے، کوئی سا ترجمہ اٹھا کر دیکھ لیجیے اور پھر جعفری صاحب کی عربی دانی کی داد دیجیے۔

۵۔ زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ گئے اور پیچھے سے قریش کی ایلچی اپنی مہم پر پہنچے تو نجاشی (شاہِ حبشہ) نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر ان کے ایلچیوں سے کہا:

'' **لو اعطیتمونی دبرا من ذهب ..... یقول جبلا من ذهب ..... ما اسلمتهم الیکما** ''۔

یعنی اگر تم مجھے سونے کا ایک پہاڑ بھی لا کر دے دو، میں انھیں تمھارے حوالے نہیں کروں گا۔ **دبـــرا** کی تشریح علامہ ابن قیمؒ نے خود ہی کر دی ہے **جبلا** یعنی پہاڑ، مگر جعفری صاحب نے **دبرا** (**بالباء الموحدة**) کی بجائے **دیرا** (**بالیاء المثنـاة**) پڑھا اور مصنف کی وضاحت کو نظر انداز کرتے ہوئے ترجمہ یوں کیا: ''اگر تم مجھے سونے کا گرجا بلکہ پہاڑ بھی دے دو.....''۔ (ج:۲،ص:۱۰۱)

۶۔ ہجرت مدینہ کے ضمن میں مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ جب قریش، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے تو ''**أخـذوا معهم القافة**'' انھوں نے قیافہ شناسوں (سراغ رسانوں) کو ساتھ لے لیا تھا، مگر جعفری صاحب اپنی قابلیت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''انھیں فاقہ تک بھی سہنا پڑا''۔ (ج:۲،ص:۱۱۷)

۷۔ تحویلِ قبلہ کا ذکر کرتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں کہ مدینہ میں پہلے بیت المقدس کو قبلہ بنانے اور پھر بیت اللہ کی طرف پھیر دینے میں '' **حِکَمٌ عظیمة** '' بڑی حکمتیں ہیں، جعفری صاحب فرماتے ہیں: ایک عظیم حکم تھا''۔ (ج:۲،ص:۱۲۶)

۸۔ یہود بنی قینقاع، جن کو ان کی عہد شکنی اور بد باطنی کی سزا کے طور پر مدینہ بدر کیا گیا تھا، ان کے بارے میں زاد المعاد میں لکھا ہے: '' **و کانوا صاغة و تجارا** ''۔ یعنی وہ لوگ زرگر اور تجارت پیشہ تھے، یہ **صاغة** کا لفظ صائغ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں سنار، مگر جعفری صاحب لکھتے ہیں: ''یہ لوگ صنعت کار اور تجار تھے''۔ (ج:۲،ص:۱۵۵)

۹۔ فضیلت جہاد کے سلسلہ میں مصنف نے ایک حدیث شریف نقل کی ہے:'' **غدوۃ فی سبیل اللّٰہ او روحۃ خیر من الدنیا و ما فیھا** ''۔اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے:''اللہ کے راستے میں صبح کو نکلنا یا شام کو نکلنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے''۔مگر جعفری صاحب خط کشیدہ الفاظ کا ترجمہ کرتے ہیں:''اللہ کے راستہ میں جانا اور آنا''۔(ج:۲،ص:۱۴۳)

یہ حدیث، تبلیغی جماعت والے بھی اکثر اپنے بیانات میں سنایا کرتے ہیں اور کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں ہے، مگر سمجھ میں نہیں آتا کیا وجہ ہے کہ متجددین حضرات کے لیے تختۂ مشق بن گئی۔

اب سے چودہ پندرہ سال پیشتر ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی طرف سے ایک کتاب '' **الصلوات الفاخرۃ بالاحادیث المتواترۃ** '' مع اردو ترجمہ شائع ہوئی تھی، اصل کتاب علامہ حامد دمشقیؒ صاحب فتاویٰ حامدیہ کی ہے اور ترجمہ ڈاکٹر صغیر حسن معصومی، پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی اسلام آباد، کی طرف سے ہے۔معصومی صاحب بھی، جعفری صاحب کے ''جڑواں بھائی'' معلوم ہوتے ہیں۔ترجمہ میں مضحکہ خیز غلطیاں پائی جاتی ہیں۔میں نے ۱۹۸۲ء میں ایک خط کے ذریعے انھیں توجہ دلائی تھی، جس کی رسید بھی ان کی طرف سے آ گئی تھی، مگر پھر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انھوں نے تلافی کی کیا صورت نکالی۔

مندرجہ بالا حدیث نمبر اس کتاب میں نمبر ۱۷ پر درج ہے، اوّل تو اس کے لفظوں میں مختصر سی ترمیم کر دی گئی ہے، لکھا ہے:'' **غزوۃ فی سبیل اللّٰہ..... الخ** ''۔اور پھر ترجمہ میں کمال کر دیا ہے، فرماتے ہیں:''اللہ کے راستے میں جنگ کرنا یا آرام کرنا، دنیا اور دنیا کی ساری اشیاء سے بہتر ہے''۔تبھی تو کہنے والے نے کہا تھا:''گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا، کار طفلاں تمام خواہد شد۔

۱۰۔ ایلچیوں اور سفیروں کے بارے میں علاّمہ ابن قیمؒ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایلچیوں کو اپنے پاس نہیں روک لیتے تھے، خواہ وہ اسلام بھی قبول کر لیتے۔چنانچہ ابو رافع نامی ایک شخص قریش کے سفیر بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، وہاں جا کر انھوں نے اسلام بھی قبول کر لیا اور اب کہنے لگے حضور! (ﷺ) میں ان کے پاس واپس نہیں جاتا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' **لا اخیس بالعھد و لا احبس البرد** ''۔نہ میں عہد شکنی کروں گا اور نہ سفیروں کو روکوں گا۔یہ برد کا لفظ برید کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ایلچی، قاصد۔مگر جعفری صاحب کمال علم کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہ ترجمہ کرتے ہیں:''اور نہ چادر روکوں گا''۔(ج۲:ص:۱۶۳) کیا مطلب؟

۱۱۔ غزوۂ بدر کے بیان میں ترجمہ جگہ جگہ سے غلط ہے، ایک جگہ لکھا ہے کہ ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کی تلاش میں نکلے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ نفری نہ جمع کی، آپ صرف تین سو دس اوپر چند آدمی لے کر جلدی سے نکل پڑے تھے۔'' **لم یحتفل لھا احتفالاً بلیغاً، لانہ خرج مسرعاً فی ثلاثمائۃ و بضعۃ عشر رجلاً** ''۔

لیکن جعفری صاحب لکھتے ہیں''لیکن یہ قافلہ پکڑا نہ جا سکا کیونکہ جلدی سے نکل گیا''۔(ج:۲،ص:۱۷۶)

سبحان مولا! تیری قدرت! حیرت ہوتی ہے کہ قلم کیسے جاہلوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔

۱۲۔ غزوۂ بدر کے بیان علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ اس رات بارش ہوئی، '' **فکان علی المشرکین وابلاً شدیداً و کان علی المسلمین طلاً** ''۔

یعنی وہ بارش کافروں کے حق میں سخت موسلا دھار بارش رہی اور مسلمانوں کے حق میں شبنم کی طرح۔ لیکن جعفری صاحب کہتے ہیں: ''مشرکین کے لیے بارش مصیبت بن گئی اور مسلمان چونکہ ریت کے ٹیلے پر تھے، انھیں پاک بنادیا''۔

(ج:۲،ص:۱۷۹)

غالباً جعفری صاحب وابل کو وبال خیال کیا ہے۔ ان کے ذہن میں اگر آیت کریمہ: '' **اِنْ لَّمْ یُصِبْھَا وَابِلٌ فَطَلٌّ** '' آجاتی تو وہ غلط ترجمہ نہ کرتے۔

۱۳۔ غزوۂ خیبر کے تذکرہ میں مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ اہلِ خیبر اپنے پھاوڑے وغیرہ لے کر نکلے، جب انھوں نے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھا تو کہہ اٹھے: '' **محمد و اللّٰہ ، محمد و الخمیس** ''۔

یعنی خدا کی قسم، محمد (ﷺ) پورا لشکر لے کر آ گئے ہیں، ''الخمیس'' عربی زبان میں لشکر کو کہتے ہیں، جس کے پانچ حصے: ہراول، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ پورے ہوں، مگر جعفری صاحب کو اتنی عربی کہاں سے آتی؟ وہ ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ''محمد اللہ کی قسم، محمد اور خمس (یعنی مالِ غنیمت کا حصہ)''۔

بندۂ خدا نے یہ بھی نہ سوچا کہ ابھی جنگ تو ہوئی نہیں، مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ کہاں سے آ گیا تھا؟

۱۴۔ اسی غزوۂ خیبر کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پرچم دے کر روانہ فرمایا تو ارشاد فرمایا: '' **انفذ علیٰ رِسْلِکَ حتی تنزل بساحتھم** ''۔

یعنی دھیرے دھیرے چلتے رہو یہاں تک کہ تم ان کے صحن میں اتر جاؤ۔ مگر جعفری صاحب لکھتے ہیں: ''ان کے علاقہ میں اترنے تک اپنے قاصدوں تک رہنے دو''۔ (ج:۲،ص:۲۳۳)

انھوں نے اپنے زورِ علم سے '' **علیٰ رِسْلِکَ** '' کو '' **علیٰ رُسُلِکَ** '' بنادیا۔ **(جاری ہے)**

found.

نام کتاب: وہ پروانے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تالیف: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

ناشر: ادارہ صدائے اہلِ سنت، کراچی۔ صفحات: ۲۸۸ قیمت: درج نہیں

صحابہ نام ہے ان نفوسِ قدسیہ کا جنھوں نے محبوب و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک کو دیکھا اور اس کی تجلیاتِ ایمانی کو اپنے ایمان اور عمل میں پوری طرح سمولیا۔ اللہ رب العزت نے اُن کے ہدایت یافتہ ہونے کا خود اعلان فرمایا، اُن کے ایمان کو آخری کتاب قرآنِ مجید میں مثالی قرار دیا اور کتنی ہی آیات ہیں جو اُن کی شان میں نازل ہوئیں۔ مثلاً: ''رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ ''۔ اللہ اُن سے راضی ہو چکا اور وہ اللہ سے راضی ہو چکے، ''وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی '' اور سب (صحابہؓ) سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا۔ یہ وہ خوش نصیب جماعت ہے کہ جس کو دنیا میں ہی مغفرت، رضاءِ الٰہی اور جنت کی ضمانت دے دی گئی۔

یہی خوش بخت جماعت ہے کہ جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق سے یہ ارشاد ہوا: ''لَا تَمَسُّ النَّارُ مَنْ رَأٰنِیْ اَوْ رَأٰی مَنْ رَأٰنِیْ'' یعنی میرے دیکھنے والوں کو آگ چھوئے گی بھی نہیں اور نہ ہی میرے صحابہ کے دیکھنے والوں کو آگ چھوئے گی۔ اور اسی پاکیزہ جماعت کو معیارِ نجات بھی قرار دیا، فرمایا: ''اُمّت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب کے سب فرقے جہنم میں ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت ایمان کا حصہ ہے بصورتِ دیگر ایمان ناقص ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنھن کے ایمان افروز تذکرے اور سوانح حیات کے حوالے سے اہلِ علم نے کئی کتب تصنیف کی ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو ایک مذہبی اخبار میں باقاعدگی سے چھپنے والے مقبولِ عام و خاص مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں چالیس سے زائد اصحاب کا مبارک تذکرہ ہے، اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے نثر کے ساتھ ساتھ نظم کی صورت میں بھی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح سرائی کر کے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اہلِ علم و اہلِ ذوق حضرات کے لیے کسی تحفے سے کم نہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مؤلف کی اس کاوش کو قبول فرما کر آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے اور ہمیں اس پُرفتن دور میں اتباعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم و اتباعِ صحابہؓ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نام کتاب: ''ماہنامہ المدینہ'' خصوصی اشاعت ''خدمتِ خلق اور کفالتِ عامہ، تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں'' مدیرِ اعلیٰ: قاری حامد محمود صفحات: ۲۷۲ قیمت: ۳۰۰ روپے

ناشر: ماہنامہ المدینہ، صائمہ ٹاورز، روم نمبر: A-205 سیکنڈ فلور، آئی آئی چندری گر روڈ، کراچی۔

محسنِ انسانیت، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لائے اس کی بنیاد امن وسلامتی اور احترامِ انسانیت پر ہے۔ اسلام کو دنیا کے تمام مذاہب میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ ایک کامل ومکمل دین اور ابدی ضابطۂ حیات بھی ہے، اسلام میں جہاں عبادات کو اہمیت دی گئی ہے وہیں معاملات اور اخلاقیات بھی دین میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کا تصور درحقیقت حقوق العباد اور احترامِ انسانیت کے اسلامی فلسفے کی اساس ہے، جس سے اسلام میں اس کی عظمت واہمیت کا پتا چلتا ہے۔ زیرِ تبصرہ رسالہ ''ماہنامہ المدینہ'' کی اشاعت خصوصی بہت ہی عمدہ اور پرمغز مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں خدمتِ خلق اور کفالتِ عامہ کو تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔ مدیرِ اعلیٰ اور اُن کے معاونین اس بہترین دینی، علمی وادبی کاوش پر مبارک باد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس پرخلوص محنت کو قبول فرمائیں اور اجرِ جزیل عطاء فرمائیں۔ **(مبصر: حافظ اخلاق احمد)**

☆.....☆.....☆.....☆

دعاءِ صحت

- ★ قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
- ★ مجلس احرارِ اسلام ملتان کے سرپرست اور رکن مرکزی مجلس شوریٰ صوفی نذیر احمد
- ★ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب
- ★ لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب
- ★ سید محمد کفیل بخاری کی بڑی ہمشیر علیل ہیں ★ قاری ظہور رحیم عثمانی کے بیٹے محمد علی بیمار ہیں
- ★ مدرسہ معمورہ ملتان کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ سب کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔

مسافرانِ آخرت

ادارہ

☆حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کی اہلیہ محترمہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہو اور حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن کاندھلوی کی بڑی صاحبزدی انتقال فرما گئیں۔ ☆مجلس احرار اسلام کراچی کے نائب امیر مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی کے استاد محترم مولانا قاضی محمد ابراہیم جامعہ دارالعلوم بستی چڑھے والی مناواں، کوٹ ادو مظفر گڑھ، ۲۶ اور ۲۷ مئی (ہفتہ، اتوار) کی درمیانی شب انتقال فرما گئے ☆ چیچہ وطنی: مجلس احرار اسلام پاکستان کے مبلغ ختمِ نبوّت مولانا محمد سرفراز معاویہ کے دادا جان قاسم علی ڈوگر (کنگن پور) ۴ر جون پیر کو انتقال کر گئے ☆ چیچہ وطنی: حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر کے برادرِ نسبتی پروفیسر محمد امجد ڈوگر (فیصل آباد) ۷ر جون جمعرات کو انتقال کر گئے ☆ چیچہ وطنی: شاعر و ادیب جناب اکرام الحق سرشار کے برادرِ بزرگ مرزا محمد ارشد بیگ 22 جون کو لاہور میں انتقال کر گئے ☆ چیچہ وطنی: سینئر صحافی اور جیو نیوز کے نمائندے ملک محمد جمیل کی والدہ ماجدہ 24 جون کو انتقال کر گئے ☆ چنیوٹ: قدیم اور مخلص احرار کارکن محمد صفدر کے ماموں زاد بھائی محمد وارث 27 رمضان کو انتقال کر گئے ☆ اسلام آباد: روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد کے ایڈیٹر اور ہمارے دوست جناب محمد حنیف لودھی کی والدہ ماجدہ ۴ر جون، پیر کو انتقال فرما گئیں ☆ مجلس احرار ٹوبہ ٹیک سنگھ کے امیر حافظ محمد اسماعیل کی بھابھی صاحبہ گزشتہ دنوں انتقال کر گئیں ☆ جہانیاں: جناب ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں کی والدہ ماجدہ گزشتہ دنوں انتقال کر گئیں ☆ راولپنڈی: عبدالحمید (شیخ نیاز احمد، سٹینڈرڈ بیکری ملتان) کے پھوپھی زاد انتقال کر گئے ☆ راولپنڈی: احمد خلیل جازم (روزنامہ ''اُمّت'') کے والد ماجد فضل الرحمٰن صاحب انتقال کر گئے ☆ مجلس احرار اسلام راولپنڈی کے امیر جناب خادم حسین صاحب کے بہنوئی جناب ضیاء الحق مرحوم گزشتہ ماہ انتقال فرما گئے ☆ انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے نائب امیر مرکزیہ قاری شبیر احمد عثمانی صاحب کے برادر بزرگ حاجی سعید احمد بھائی 3 جون مطابق 18 رمضان کو انتقال فرما گئے ☆ چنیوٹ: جامعہ مدنیہ کے مہتمم مولانا ملک خلیل احمد اشرف کے بھائی ملک خالد محمود انتقال فرما گئے۔ ☆ ملتان: ہمارے کرم فرما رسالت خان شیروانی کے بھتیجے حسن خان شیروانی 3 جون 2018، 18 رمضان المبارک 1439 ٹریفک حادثے میں انتقال کر گئے۔ ☆ ملتان: مولانا حافظ احمد یار کی اہلیہ اور مدرسہ معمورہ کے سابق طالب علم حافظ محمد طاہر کی والدہ یکم شوال 1439 کو انتقال کر گئیں۔ ☆ شعلی غربی (حاصل پور) میں احرار کارکن حافظ محمد مشتاق کے بڑے بھائی 23 جون کو انتقال کر گئے۔

اللہ تعالیٰ سب مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔